188721

UNIVERSAL LIBRARY
OU_188721
UNIVERSAL LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. Accession No.

Author رسول عربی

Title

This book should be returned on or before the date last marked below.

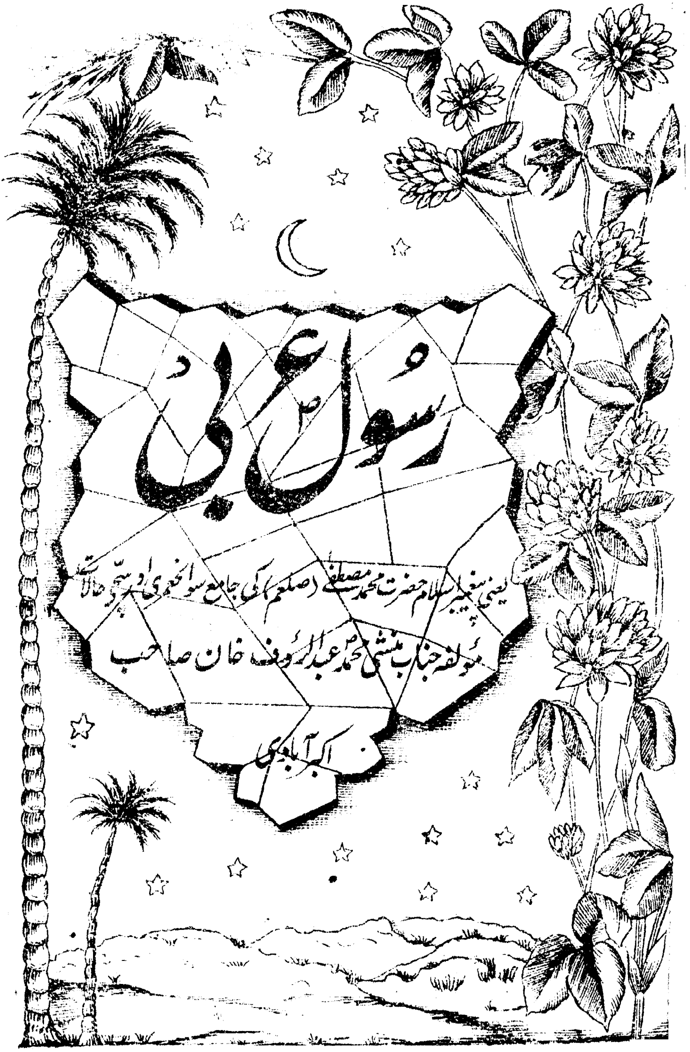
رسول عربی
یعنی پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ (صلعم) کی جامع سوانحعمری اور سچّے حالات
مؤلفہ جناب منشی محمد عبد الرؤف خان صاحب
اکبر آبادی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسولِ عربی

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تمہید

کسی تذکرے یا سوانح عمری کا مرتب کرنا دراصل نہایت
مشکل کام ہے، جس کی اہمیت کو وقائع نویس اور صاحب فہم اصحاب
خوب جان سکتے ہیں۔ ایک معمولی حیثیت اور مرتبہ رکھنے
والے کے حالات زندگی قلم بند کرنا کچھ آسان کام نہیں ہے

چہ جائیکہ رسول برحق، خاتم النبیین ختم المرسلین احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ خیر کو ضبط تحریر میں لانا فی الحقیقت چھوٹا منہ بڑی بات کے مصداق ہے۔

پاس ادب سے جسم نحیف لرزتا ہے۔ ہاتھ کانپتا ہے قلم چھوٹا جاتا ہے۔ اس ناچیز میں اتنا مبلغ علم کہاں جو اُس ذات اقدس کی ثنا و صفت میں لب کشائی کر سکے۔ یا اُن کی شان کو زبان قلم سے بیان کر سکے۔

شفیع المذنبین بیشک محمد مصطفےٰ تم ہو

ضیاء الملتہ والدین محمد مجتبےٰ تم ہو،

مٹایا کفر کو اسلام سے دُنیا منور کی

وہ مصباح الظلم ہو اور وہ نورالہدا تم ہو

دُنیا کے سیکڑوں مشہور اسلامی اور غیر اسلامی مورخوں نے بڑے بڑے ضخیم تذکرے رسول عربی کے لکھے ہیں اور آیندہ بھی لکھے جائیں گے، مگر ابتک کوئی تاریخ یا کتاب ایسی نظر سے نہیں گذری جو محض طبقۂ نسواں کی خاطر لکھی گئی ہو، اور جس میں کہ قطع نظر صدہا دوسری دینی و دُنیاوی فتوحات اسلام کے تذکروں کے۔ آنحضرت کی سوشیل اور خانگی زندگی کے متبرک حالات کو قوم کی بیبیوں کی خاطر ایک جا جمع کیا گیا ہو، اور محض اُن واقعات کو لکھا ہو جو ہمارے پیارے رسول کو اپنے بیوی بچّوں، عزیز اقارب، اور ہمسایوں میں رہ کر پیش آئے۔

برق اسلام کی چمک اور اِس دین پاک کی صداقت تو

کم وبیش ہر کلمہ گو مرد یا عورت کے دل میں پہلے سے موجود ہے؛
اور بڑہا رہے سے بڑہ سکتی ہے؛ مگر خانگی اور سوشیل زندگی کی
دشوار گذار گھاٹیوں میں سلامتی ایمان کے ساتھ گذرنے کے
لئے اپنے پیشوا اور اپنے ہادی کے وہی طریقے ہماری رہنمائی
اور رہبری کرسکتے ہیں جن کو عملی صورت میں آپ نے دُنیا کے
سامنے پیش کردیا - اور خود اُن باتوں پر عامل ہو کر اہل عالم کو
بتلادیا کہ دین اور مذہب کی پابندیوں کے ساتھ ایک انسان
کس طرح سے دنیا میں نیک نامی کی زندگی بسر کرسکتا ہے -
اور اپنے تمام متعلقین کے جملہ حقوق ادا کرسکتا ہے -

رسولِ عربی کے اِس متبرک اور مختصر تذکرے میں جہانتک
مجھ سے ہوسکیگا اُن صحیح واقعات کو لکھونگا کہ جو آنحضرتؐ کی

خانگی اور سوشیل زندگی سے متعلق ہیں۔ اور جن کا مطالعہ قوم کی عزیز بہنوں اور بیبیوں کو بیحد مفید ثابت ہوگا۔ بلکہ وہ اپنے نبی برحق کی طرز معشرت اور ازواج مطہرات کے ساتھ اُن کا حُسن سلوک معلوم کرکے اپنی خانگی زندگی میں راہ راست اختیار کرینگی، اور عقبیٰ کی درستی کے ساتھ دُنیا کی بڑی سے بڑی تکلیفوں کا صابر و شاکر بنکر مقابلہ کرنا سیکھیں گی۔

عرب کا زمانہ جاہلیت

چھٹی صدی عیسوی میں جبکہ تمام عرب اور عجم میں طوفان بے تمیزی مچا ہوا تھا، اس مثلث جزیرہ نما کے تینوں گوشوں پر شاہِ حبش، کسرائے ایران اور قیصر روم کی حکومتیں قائم تھیں، مگر سارے ملک کے اندرونی حصہ میں، آزادی اور مختاری کا دور دورہ تھا۔ باہمی خونریزیاں اور جنگ و جدال ایک قبیلہ کو دوسرے سے جُدا کر رہے تھے۔ بغض اور حسد کا یہ حال تھا کہ ایک ذرا سی بات کا جھگڑا پشت ہا پشت چلا جاتا تھا۔

چوری، ڈکیتی، شرابخواری، جھوٹ، فریب، انتہائی

بدچلنی، عورتوں کی بے قدری، الغرض کوئی بڑے سے بڑا عیب اور گناہ ایسا نہیں تھا جو اہل عرب کے اندر موجود نہ ہو، لڑکیوں کو ہوتے ہی مار ڈالنا ایک معمولی سی بات تھی، ظالم باپ نوزائیدہ بچّی کو ماں کی گود سے چھین کر لے جاتا ہے، اور معصوم کو گڑھا کھود کر جنگل میں زندہ دفن کر آتا ہے، ماں اپنے ممتا بھرے دل کو مسوس کر رہجاتی ہے، مگر غریب وہ عورت ہونے کے سبب سے اتنا حق نہیں رکھتی کہ بیرحم خاوند کی اس وحشیانہ حرکت پر اعتراض بھی کر سکے۔

مذہبی اعتبار سے ہر روز ایک نیا مذہب ایجاد کیا جاتا تھا۔ علاوہ اِسکے، یہودی۔ آتش پرست، ستارہ پرست، لا مذہب دہرئے نصارٰی وغیرہ مگر سب کے سب اخلاقی حیثیت سے

بد ترین اعمال کے نمونے، بتوں کے سامنے انسانی قربانیاں تو روزمرّہ کا کھیل تھا۔

ایک متمول اور زور آور شخص اپنے غریب ہمسایہ کو ذرا سی بات پر قتل کر ڈالتا۔ اور اُس سے کوئی نہ پوچھتا کہ تو نے کیا کیا؟۔ بردہ فروشی کا عام رواج تھا۔ ایک ایک شخص لاتعداد بیبیاں رکھتا۔ اور انہیں بھیڑ بکریوں کی طرح جب چاہتا گھر سے باہر ہنکا دیتا یا اُنہیں بازار میں بیچ کر ٹکے سیدھے کر لیتا۔ ہر چہار طرف جھوٹ، فریب، فسق فجور کی گرم بازاری تھی، سر بازار شرطیں لگائی جاتیں۔ اور پھر معمولی معمولی جھگڑوں کو اسقدر طول دیا جاتا کہ انسانی خون کی ندیاں گلی کوچوں میں بہنے لگتیں۔

ازدواج کو بطور رسم کے ادا کرتے تھے، زرِ مہر اگرچہ مقرر ہوتا تھا مگر ہر شخص ایک ہی عورت کو بار بار طلاق دے سکتا تھا، اور پھر اُسی سے نکاح بھی کر سکتا تھا۔ طلاق کی کوئی تعداد مقرر نہ تھی۔ عورت نہایت ذلیل حالت میں زندگی بسر کرتی تھی۔

متوفی شوہر کا سوگ عورت کے لئے ایک سال تک ضروری تھا۔ یہ مقررہ میعاد جب پوری ہو جاتی تھی تو بیوہ عورت اونٹ کی چند مینگنیاں کالے کُتّے پر سے پھینک کر کے متوفی شوہر کے جملہ گذشتہ و آئندہ حقوق سے سبکدوش ہو جاتی تھی۔

ایام حیض میں ہر عورت گھر کے سب آدمیوں سے

علیحدہ رہتی تھی۔ جس کا نشان ابتک پارسیوں یعنی مجوسیوں میں ملتا ہے۔

بالغ مرد اپنے والدین کی وراثت کے حق دار سمجھے جاتے تھے۔ عورتیں خواہ بالغہ ہوں یا نابالغہ محروم الارث کردی گئیں تھیں۔ لڑکیاں موجب ننگ و عار سمجھی جاتی تھیں اسلئے اُن کو قتل کردیتے تھے یا زندہ درگور۔

کسی عورت کو حق نہ تھا کہ وہ گائے یا اونٹ یا بھیڑ بکری کا دودھ خود اپنے ہاتھوں سے نکال لے۔

لونڈیاں خرید کر انہیں ناچنا گانا سکھایا جاتا تھا اور وہ اپنی حسن فروشی سے جو کچھ مال و زر پیدا کرتی تھیں وہ آقا کا حق ہوتا تھا۔ یہ بھی ایک عزت تھی جس پر اکثروں کو فخر تھا۔

وہ اونٹ جسکی نسل سے دس نر بچے پیدا ہو چکتے تھے قابل تعظیم اور پرستش کے مانا جاتا تھا۔ پھر کوئی خدمت اُس سے نہ لی جاتی تھی۔

جو بھیڑ یا بکری پانچویں بار مادہ بچّہ جنتی تو وہ کان کاٹ کر چھوڑ دی جاتی تھی اُس کا گوشت اور دودھ دونوں حرام ہو جاتے تھے۔

ولادت باسعادت

روز ازل سے یہ ہوتا چلا آیا ہے کہ جہاں قومیں اپنی بد اعمالیوں اور زشت کاریوں کی بدولت تباہی کی بھنور میں آپھنسی ہیں، وہیں خداوند تعالےٰ نے انہیں سنبھالنے کے

لئے اُن میں کوئی نبی یا پیغمبر بھیجدیا ہے، جس کی ہدایت سے ڈوبتے ہوؤں کو سہارا ملا اور گرتے ہوئے سنبھل گئے، چونکہ اہل عرب اپنی وحشیانہ حرکات اور ملحدانہ عقاید کی بدولت انتہائی خرابیوں میں مبتلا ہو کر دُنیا کی بدترین خطے میں شمار کئے جانیکے قابل ہو گئے تھے اور سرزمین عرب پر ظلمت اور تاریکی کی گھنگور گھٹائیں چھارہی تھیں،

ہوا ہر طرف موج زن تھی بلا کی	گلوں پر چھُری چل رہی تھی جفا کی
زمیں پر تھا ابر ستم کا دریڑہ	تباہی میں تھا نوع انساں کا بیڑا

پس غیرت ایزدی متحرک ہوئی اور دُعائے خلیل کے مستجاب ہونیکا وقت آ گیا - یعنی حضرت مسیح نے جس قدسی نفس کے عالم وجود میں آنے کی بشارت دی تھی اُس کی

پیدایش کا زمانہ پہنچا۔

یکایک ہوئی غیرت حق کو حرکت — بڑھا جانب بوقبیس ابر رحمت
ادا خاک بطحٰی نے کی وہ ودیعت — چلے آتے تھے جسکی دیتے شہادت
ہوئی پہلوے آمنہ سے ہویدا — دعاء خلیل اور نوید مسیحا
ہوئے محو عالم سے آثار ظلمت — کہ طالع ہوا ماہ برج سعادت
نہ چھٹکی مگر چاندنی ایک مدت — کہ تھا ابر میں ماہتاب رسالت

الغرض حضرت ابراہیم کی اڑسٹھویں پشت میں جب خاندان قریش کے ایک ممتاز اور جلیل القدر سردار حضرت عبد المطلب محافظ کعبۃ اللہ اور شریف مکہ مقرر ہوئے، اور آپ کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ نام خدا جوان ہوئے تو حضرت عبد اللہ کی شادی بی بی آمنہ سے قرار پائی جو وہب کی

لاڈلی اور صاحب نصیب بیٹی تھیں۔ یہ رشتہ نہایت مبارک ثابت ہوا کیونکہ ۱۲ ربیع الاوّل مطابق ۲۹ اگست سنہ ۵۷۱ء کو آمنہ خاتون کے بہلو سے نورِ محمدی مجسّم ہو کر جلوہ آرائے عالم ہوا۔

دُرِّ یتیم

حضور والا یتیم پیدا ہوئے، آپ کے والد ماجد حضرت عبد اللہ کچھ دن پہلے انتقال فرما چکے تھے۔ یتیمی کا داغ بھی کس قیامت کا داغ ہوتا ہے۔ معصوم بچّہ کی ذات چاہے اس غمناک اور اندوہ گیں حالت سے بے خبر ہو، مگر دیکھنے والوں کے تو کلیجے شق ہوتے ہیں۔ خصوصاً اُس ماں کے ممتا بھرے دِل سے کوئی پوچھے جس کا وارث سر سے اُٹھ گیا ہو اور اُس کا ننھا

بچّہ آغوش مادری میں اپنی موہنی صورت لئے پڑا کلکاریاں مار رہا ہو۔ بی بی آمنہ اپنے پیارے شوہر کے انتقال سے اور اپنے اکلوتے بچّے کی یتیمی کے ملال سے مثل شمع گریاں تھیں مگر معصوم کی پیاری اور بھولی صورت کو دیکھکر دل بہلاتیں۔ پھر جوں ہی اس کی یتیمی اور بیکسی کا خیال آجاتا بے قرار ہو جاتیں،

ولادت کے سات روز بعد آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے عقیقہ کیا اور تمام خاندان قریش کی اعلیٰ پیمانہ پر دعوت کی۔ اور اُسیوقت جناب کا اسم گرامی محمدؐ رکھا گیا۔

زباں پہ بارِ خدایا یہ کسکا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زُباں کیلئے

آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کا نام احمدؐ بھی رکھا تھا۔ علاوہ

ان ہر دو ناموں کے مصطفےٰ ابھی آپکا مشہور نام ہے۔

حلیمہ سعدیہ

قبیلہ قریش میں یہ عام رواج تہا کہ اپنے بچّوں کو دائیوں کے سپرد کردیتے تھے۔ جو دوسرے مقامات سے مکّہ معظمہ میں آیا کرتی تہیں، اور بچّوں کو اپنے قبیلوں میں لیجا کر پرورش کیا کرتیں۔ اس مرتبہ بھی شہر مکہ میں دائیاں آئیں اور حسب معمول گھروں میں جا کر اُنہوں نے بچّے لئے۔ لیکن زنان بنی سعد میں سے ایک دائی حلیمہ سعدیہ تہیں جو کچھ عرصہ بعد مکّہ میں پہُنچیں اسلئے باوجود کئی روز کی تلاش وجستجو کے اِنہیں کوئی بچہ نہ ملا جس سے ان کو نہایت درجہ مایوسی اور افسوس ہوا۔

لیکن اُس زمین اور آسمان کے پیدا کرنے والے نے حلیمہ سعدیہ کی تقدیر میں تو وہ سعادت دارین لکھدی تھی جو دُنیا میں کسی دائی یا کھلائی کو نصیب نہیں ہوئی۔ کیونکہ اُس دُرِّ یتیم کی رضاعت اور دودھ پلائی کا شرف اُنہیں حاصل ہوا جو درحقیقت سردار کونین رسول خدا۔ اور خاتم النبیئین ہونے والا تھا۔

حلیمہ سعدیہ کہتی ہیں کہ میں اپنی ناکامی پر افسردہ خاطر بیٹھی تھی کہ ایک شریف اور بزرگ صورت عرب میرے قریب آئے اور مجھ سے دریافت کیا "کیا کوئی عورت ایسی باقی ہے جو ایک یتیم بچّے کی رضاعت قبول کرلے" میں نے اُن سے دریافت کیا کہ آپ کا نام کیا ہے" جواب دیا "عبدالمطلب سردار قریش"

حلیمہ سعدیہؓ کہتی ہیں کہ میں نے اپنے شوہر سے مشورہ کیا اُس نے فوراً اجازت دیدی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ تم ایک یتیم بچہ کو لیکر کیا فائدہ اُٹھا سکتی ہو۔ میں نے اُنہیں سمجھایا کہ گو بچہ یتیم ہے مگر سردارِ قریش عبدالمطلب اُس کا دادا موجود ہے اس کے بعد میں حضرت عبدالمطلب کے ساتھ مکان پر پہنچی دُرِّ یتیم کو گود میں لیکر پیشانی کو بوسہ دیا اور خوش خوش اپنے قافلہ میں واپس چلی آئی۔

جس وقت سے یہ دولت خداداد مجھے نصیب ہوئی، خدا کی رحمت نے برکت اور نعمت کا مجھ پر مینھ برسا دیا۔ رزق میں کشادگی ہوئی اور تمام کلفتیں دُور ہو گئیں۔

دو سال تک حلیمہ سعدیہؓ آپ کو دودھ پلاتی رہیں، اور اس

درمیان میں ہر چھٹے مہینہ مکہ معظمہ میں آپ کو لیکر آتیں اور آپ کے بزرگوں کے اطمینان خاطر کے لئے آپ کو دکھا لے جاتیں۔

جب مدت رضاعت ختم ہو گئی تو آپ کو حلیمہ سعدیہؓ مکہ لیکر آئیں اور آپ کی والدہ ماجدہ کے سپرد کرنا چاہا۔ مگر حضرت آمنہ نے بچہ کو پھر انہیں کے ہمراہ واپس بھیجدیا اور کہدیا کہ ایک دو سال بعد ہم بُلوالیں گے غالباً اِس خیال سے آپ نے ایسا کیا کہ بہ نسبت شہر کے دیہات میں بچہ کی صحت قابل اطمینان رہیگی پنجاب کے ایک ہندو مؤلف سوانح عمری آنحضرتؐ لکھتے ہیں "معلوم ہوتا ہے کہ محمدؐ (صلعم) صاحب کی والدہ بھی اُنہی اوصاف کی عورت تھیں جیسا کہ اکثر بڑے آدمیوں کی مائیں

ہوا کرتی ہیں - ہم اپنے ملک میں عموماً دیکھتے ہیں کہ کبھی کوئی ماں اپنے بچّہ کی صحت کی یوں خبر گیراں و فکرمند نہیں رہتی - ہمارے ملک میں بڑے آدمیوں کی بہ نسبت بچے زیادہ مرتے ہیں - اس کا سبب محض اُن کی ماؤں کی بے احتیاطی اور غفلت ہے، پس اِس خیال سے جب محمدؐ (صلعم) صاحب کی والدہ ماجدہ کے حالات پر غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک دانا عقلمند اور نہایت دُور اندیش بی بی تھیں"

بی بی حلیمہ رضؓ سے روایت ہے کہ جب حضور والا تین سال کے ہوئے تو آپ نے ایک روز مجھ سے دریافت کیا کہ "مہرباں ماں کیا وجہ ہے کہ میرے بھائی (یعنی حلیمہ سعدیہ رضؓ کے دوسرے فرزند) دِن کو مکان پر موجود نہیں رہتے"

حلیمہؓ نے کہا کہ وہ بکریاں چرانے جنگل میں نکل جاتے ہیں“
آپ یہ سُن کر رو دیئے اور فرمایا کہ کیا میں بکریاں چرانے کے
قابل نہیں ہوں۔ اِس کے بعد دوسرے روز سے آپ نے
بھی برادران رضاعی کے ہمراہ جانا اور بکریاں چرانا شروع
کر دیا۔ حلیمہ سعدیہؓ آپ کو منع کرتیں لیکن آپ نہ مانتے اور روزانہ
بکریاں چرانے اُن کے ساتھ تشریف لے جاتے۔ دراصل قدرت
تو آپ سے پیغمبری کی یہ شرط بھی پوری کرانا چاہتی تھی۔ جیسا
کہ آپ سے پہلے تمام نبیوں اور پیغمبروں نے کیا۔

یعنی آپ کے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لیکر
بلکہ زمانہ آدم تک سے جسقدر نبی اللہ اور پیغمبر گذرے ہیں اُن
سب نے گلّہ بانی کی سُنت متبرکہ کو ادا کیا۔ لہٰذا آپ نے بھی

اُس کی پیروی کی۔

چار سال کی عمر تک آپ نے حلیمہ سعدیہؓ کی زیرِ نگرانی پرورش پائی۔ اِس کے بعد وہ نیک بی بی آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کے سپرد کر گئیں۔

صرف دو سال مادرِ مشفقہ کے سایۂ عاطفت میں گذرنے پائے تھے کہ ایک دوسرا مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا یعنی آپ کی والدۂ ماجدہ جبکہ یثرب سے مکّہ معظمہ کو واپس تشریف لا رہی تھیں راستہ میں اُن کا انتقال ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن اب ہمارے معصوم نبی کو قدرت نے کامل یتیمی و یسیری کے زبردست امتحان میں ڈال دیا۔ تاکہ اِس تھوڑی عمر میں آپ اُن مصائب اور تکالیف کو برداشت کریں جو ایک بے ماں اور

باپ کے بچے کو دنیا میں سہنی پڑتی ہیں۔

اب صرف آپ کے دادا بزرگوار آپ کے نگراں اور کفیل تھے مگر چونکہ حضرت عبد المطلب بھی اپنی عمر کو پہنچ چلے تھے اور آپ کے قوائے جسمانی جواب دیتے جاتے تھے اس لئے آپ نے اپنی حیات ہی میں اس کا فیصلہ کر دینا مناسب جانا کہ میرے بعد اس دُرِّ یتیم کی نگرانی اور پرورش کا ذمہ وار کون ہوگا۔

اس بات کو طے کرنے کے لئے حضرت عبد المطلب نے اپنے خاندان کے جملہ اراکین کو جمع کیا اور سب کی رائے دریافت کی۔ ابولہب نے عرض کیا کہ میں بخوشی اس فرزند کی پرورش کے لئے حاضر ہوں۔ اس پر حضرت عبد المطلب نے جواب دیا

کہ ہر چند تم بہت کچھ مال و دولت رکھتے ہو لیکن تم سخت دل واقع ہوئے ہو اس لئے بے ماں باپ کے بچے کی دلداری تم سے ہونا غیر ممکن ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ تمہاری کسی قسم کی سختی سے یہ دُرِ یتیم آزردہ خاطر نہو جائے۔

اس کے بعد آنحضرت کے چچا حضرت حمزہؓ نے درخواست کی۔ انہیں جواب ملا کہ تمہارے کوئی بچہ نہیں ہے اس لئے یتیمی کے دُکھ درد کو تم محسوس نہیں کر سکتے۔

بعد ان کے حضرت عباس رضؓ نے عرض کیا کہ یہ خدمت میرے سپرد کی جائے، اِن سے حضرت عبدالمطلب نے فرمایا کہ تمہارے ساتھ عیالداری زیادہ ہے اپنے بچوں کے سامنے اس فرزند بے پدر کا کہانتک خیال رکھو گے۔

آخر کار حضرت ابو طالب کی باری آئی اور اُنھوں نے ڈرتے ڈرتے درخواست کی کہ میں نہ مال و متاع رکھتا ہوں نہ زیادہ عیالداری اگر جناب مجھے اس خدمت کے قابل سمجھیں تو میں بدل و جان حاضر ہوں، حضرت عبدالمطلب نے فرمایا، بیشک تم اس قابل نظر آتے ہو کہ اس کام کو اچھی طرح انجام دے سکو۔ لیکن میں اس امر کو خود اُس یتیم بچے کی مرضی پر چھوڑتا ہوں

حضرت عبدالمطلب نے آنحضرت کو جو اس وقت آٹھ سال کی عمر تک پُہنچے تھے طلب فرما کر کہا کہ جان عزیز میں اب ضعیف ہوا زندگی کا کوئی اعتبار نہیں یہ تمہارے بزرگ تمہاری نگرانی اور پرورش کا بار اپنے ذمہ لینا چاہتے ہیں۔ تم ان میں سے کِس کے پاس رہنا پسند کرتے ہو۔ یہ سُنکر آپ مسکراتے ہوئے

حضرت ابوطالب کے زانو پر جا بیٹھے۔ جبکہ آپ کے حقیقی چچا تھے۔

حضرت عبدالمطلب اس وقت آبدیدہ ہو کر فرمانے لگے کہ اے ابوطالب اس معصوم نے نہ تو شفقت پدری کی چاشنی چکھی ہے نہ مہر مادری کی حلاوت پائی ہے۔ تم اس کی دلداری اور دلجوئی میں کمی نہ کرنا۔

اس انتظام اور وصیت کے تھوڑے ہی عرصہ بعد بزرگ عبدالمطلب نے انتقال فرمایا اور اب آپ اپنے چچا کے زیر سایۂ عاطفت پرورش پانے لگے۔

ذرا خیال تو کرو جس بچے نے اپنے باپ کی شفقت بھری آنکھیں نہ دیکھی ہوں جو عہد طفلی میں ہی ماں کی ممتا بھری گود سے

محروم کردیا گیا ہو۔ جو والدین کی لازوال محبت اور پیار کے مزے سے محض ناآشنا ہو، دراصل وہی یتیموں اور لاوارثوں کے درد بھرے دلوں کی اندرونی حقیقت اور کیفیت کو خوب سمجھ سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ آپ پر ان مصیبتوں کا امتحان کر کے آپ کو اس قابل بنا دیا جائے کہ آپ یتیموں، اور لاوارثوں کے درد کی خبر لیں، اپنے ہم وطنوں کو قعر مذلت سے نکالیں۔ اُن کی غمخواری کریں اور اُنہیں رحم۔ ہمدردی۔ اور صبر کی تعلیم دیں۔

حضرت ابوطالب آپ کے حقیقی چچا تھے، اور آپ سے بے حد محبت فرماتے تھے اس لئے حضرت عبدالمطلب کے بعد

حضرت ابو طالب کی سرپرستی جناب رسول کریم کے لئے نہایت خوشگوار ہوئی۔ نو برس کا سن، نہ باپ کی آغوش محبت کا آرام دیکھا نہ ماں کی کنار حمایت میں چین سے بسر ہوئی اور نہ دادا کا سایہ سر پر رہا۔ بچپن ہی میں ساری مصیبتوں کا ایک ننّی سی جان پر خاتمہ ہو گیا۔ اس صورت میں آپ کو جو دیکھتا تھا قابلِ رحم سمجھتا تھا اور یہی احساس تھا جس نے حضرت ابو طالب کو والد مرحوم اور جدّ مغفور کی طرح مہربان کر دیا تھا اور آپ اپنے چچا سے ویسی ہی محبت فرماتے تھے جیسی بیٹے کو باپ کے ساتھ ہونی چاہئے۔

تین سال تک جناب رسول کریم خاموش زندگی بسر کرتے رہے۔ عرب، اس زمانہ میں جہالت کا مرکز تھا تعلیم کا

کوسوں پتہ نظر نہ آتا تھا۔ جاہلانہ شعر و شاعری، شہسواری، نیزہ بازی، تعبیر گوئی اور ستارہ شناسی مسلمانوں کے قابلِ فخر کارنامے تھے۔ خاندان کے خاندان اور گھرانے کے گھرانے جہالت میں مبتلا تھے، یہ زمانہ کا تقاضہ اور وقت کی مصلحت تھی جس نے جناب رسول کریم کی طفلانہ زندگی پر بھی اثر کیا اور گو حضرت ابو طالب آپ کو بے حد چاہتے تھے اور ہر وقت کلیجہ سے لگائے رہتے تھے پھر بھی آپ کی تعلیم کی طرف توجہ نہ کی۔ اور آپ اُمّی رہے۔

حضرت ابو طالب عرب کی دوسری قوموں کی طرح تجارت کرتے تھے۔ چنانچہ اب اُنہیں ضرورت ہوئی کہ وہ اسباب تجارت لیکر شام کی طرف جائیں۔ جب جناب رسول کریم

کو اپنے مہربان چچا کے ارادہ کا علم ہوا تو آئے اور بے اختیار دوڑ کر چچا سے لپٹ گئے اور فرمایا کہ چچا جان آپ۔ اپنے یتیم بھتیجے کو چھوڑ کر کہاں تشریف لیچلے۔ حضرت ابو طالب کی فرط محبت سے آنسو بھر آئے اور کہنے لگے کہ بیٹا ہم شام کیطرف جاتے ہیں۔ تمہارا جی چاہے تو تم بھی چل سکتے ہو۔

پہلا سفر

حضرت تو یہ چاہتے ہی تھے فوراً تیار ہو گئے اور اپنے چچا کے ساتھ قافلہ کے ہمراہ شام جا پہونچے۔ اہل قریش کا قاعدہ تھا کہ وہ عقبہ جبل واقعہ شہر بصرہ میں ضرور ٹھرتے تھے چنانچہ یہ قافلہ بھی جس میں اُمت گنہگار کا قافلہ سالار چھوٹی

چھوٹی زلفیں کاندھے پہ ڈالے ہوئے، نبوت و رسالت کے جلوے نے پردہ پیشانی میں چھپائے ہوئے رونق افروز تھا وہیں ٹھرا۔ یہاں ایک راہب جس کا نام جرجس بحیرا تھا مذہب عیسوی کی تعلیم کے موافق دنیا کو لات مار کے ایک کونے میں پڑا ہوا تھا، اِس ضعیف العمر بزرگ راہب نے جب جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ والتسلیم کا چہرۂ انور دیکھا تو حیران رہگیا اور بے اختیار اُس کی زبان سے نکلا ؎

من بیدل بجمالِ تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمالست بدیں بوالعجبی

"ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات،، آثار بزرگی چھُپے نہیں رہتے۔ فوراً تاڑ لیا کہ یہ لڑکا دنیا میں رسالت کا صُور پھونکیگا،

انبیائے عظام کے نام کو روشن کریگا۔ ملت ابراہیم کو زندگی بخشیگا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام و جناب موسیٰ علیہ السلام کی بشارتوں کا پورا کرنے والا ہوگا۔

وہ بزرگ راہب قریشی قافلہ کی مہمان نوازی کا خیال بھول گیا اور حضرت ابو طالب کو الگ بلا کر آنحضرت کی حالات دریافت کرنے لگا اور پھر کہنے لگا کہ آپ اس صاحبزادے کو معمولی انسان نہ سمجھیں، یہ آگے چلکر خدا کا رسول ہوگا میری ہدایت ہے کہ یہودیوں کے سایہ سے آپ اس لڑکے کو محفوظ رکھیں۔ اور اس کی خبرگیری میں کوتاہی نہ کریں۔

سفر سے واپسی کے بعد آپ کا ایک برس قدرت کی نیرنگیوں زمانہ کے انقلاب، قوم کی مخالفت، اور ملکی خرابیوں کے ملاحظہ

میں گذرا اور آپ کے اخلاق حمیدہ و اطوار پسندیدہ نے اہل عرب کے دلوں میں اچھی طرح گھر کر لیا۔ گو ابھی آپ نام خدا تیرہویں برس ہی میں تھے لیکن آپ کے اخلاق و اطوار کا یہ حال تھا کہ بڑے بڑے بزرگ مسخر نظر آتے تھے۔ یہاں تک کہ قوم نے آپ کو "الامین" اور "الصادق" کے خطابوں سے خطاب کرنا شروع کیا۔ آپ کے انکسار و اخلاق کا یہ عالم تھا کہ جب آپ اپنے گھر کا سودا بازار میں لینے جاتے تو اپنے پڑوس میں رہنے والے غریبوں کے دروازہ کی کُنڈیاں کھٹکھٹا کر اُن سے دریافت فرماتے کہ "محمدؐ بازار جارہا ہے اگر تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو منگوالو" یہ ہی اوصاف حمیدہ تھے جو آپ کو اہل عرب کی نگاہوں میں عزیز کرتے چلے جاتے تھے۔ اور

جنھوں نے بالآخر طفلی ہی میں آپ کو ایسے قابل رشک خطابات دلوا دیے جو دوسرے انبیائے کرام کو اُن کی آخر عمر میں بہ مشکل مل سکے ع

پروردگار جس کو یہ نعمت عطا کرے

دوسرا سفر

بنی امیہ بنو ہاشم کے دشمن تھے، اور نہیں چاہتے تھے کہ بنی ہاشم آرام اور چین سے بیٹھیں۔ چنانچہ یہ اونہیں کی شرارت تھی کہ خاندان بنی ہاشم سے کعبہ مکرمہ کی جو خدمتیں متعلق تھیں وہ چھین لی گئیں۔ اور اب حضرت ابوطالب کی گذر عُسرت اور تنگی کے ساتھ ہونے لگی۔ حضرت ابوطالب نے سوچا کہ آپ کو کسی

تجارتی کاروبار میں لگا دیا جائے لیکن سرمایہ کی کمی نے اسکی اجازت نہ دی۔ اس زمانہ میں قبیلۂ قریش میں ایک بیوہ رہتی تھیں جن کا نام خدیجہؓ تھا۔ بڑی مالدار تھیں اور اکثر اپنا تجارتی مال کمیشن پر دوسرے لوگوں سے بکوایا کرتی تھیں۔ جب انھوں نے آنحضرت کا رجحان تجارت کی طرف دیکھا تو آپ کو بلوایا اور کہنے لگیں کہ اگر آپ چاہیں تو میرا روپیہ کسی تجارت میں لگا سکتے ہیں۔ میں آپ کی دیانت و امانت کا حال اچھی طرح سُن چکی ہوں۔ میرا غلام حاضر ہے اور روپیہ موجود ہے۔ مال لیجئے اور سفر کیجئے۔

حضرت نے اپنے چچا سے مشورہ کیا اونھوں نے مصلحت وقت سمجھکر بھتیجے کی تجویز کو رد نہیں کیا اور آپ میسرہ ایک غلام کو ساتھ لیکر سفر حجاز کے لئے تیار ہو گئے۔

ہمرتبہ آپ بصرہ تک پہنچے، اور وہاں اپنا سامان تجارت اچھے داموں فروخت کیا۔ صداقت، ایمانداری، اور دیانت کی تعلیم ابھی عرب میں عام نہ تھی مگر آپ کا اخلاق تو ایسی تمام خوبیوں کا سرچشمہ ہی تھا، تجارت میں بیحد فائدہ ہوا۔ اور بہت کم زمانہ میں آپ معہ غلام کے زر کثیر لیکر بی خدیجہؓ کے پاس لوٹ آئے اور کوڑی کوڑی جو اِس سفر سے حاصل کی تھی سامنے ڈالدی خرچ اور آمدنی کا حساب اسقدر صاف اور سُلجھا ہوا دیدیا کہ بی خدیجہؓ بھی عش عش کرنے لگیں۔ اُدھر میسرہ کی زبانی آپ کے اخلاق وسلوک کا حال سُنا تو بیحد خوشی حاصل ہوئی۔ اور آپ اسقدر گرویدہ ہوگئیں کہ حضرت کی زوجیت میں آنے کی حسرت کرنے لگیں۔

پہلی شادی :

یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ حضرت خدیجہؓ بیوہ تھیں اب یہ بھی سُن لیجئے کہ آپ کی امارت و شہرت کا حال سُن سُن کر بہت سے اہل قریش نے آپ کے پاس شادی کا پیام بھیجا مگر آپ نے سب کو رد کر دیا لیکن رسولِ عربی کے حسن سیرت پر کچھ ایسا دل آیا کہ نفیسہ بنت مینہ کی زبانی آپ کے پاس پیام نکاح بھیج ہی دیا۔

آپ پچیس سالہ نوجوان تھے۔ اور حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس برس کی تھی۔ بہت ممکن تھا کہ آپ انکار کر دیتے لیکن آپ کو تو ایک اسوۂ حسنہ قائم کرنی تھی۔ قوانین معاشرت میں ایک اخلاقی

مؤنہ کا اضافہ کرکے ایک قابلِ عمل دفعہ قائم کرنی تھی۔ آپ نے انکار نہیں فرمایا بلکہ یوں فرمایا کہ اے نفیسہ میں تو ایک غریب مفلس اور یتیم شخص ہوں، خدیجہؓ بھلا مجھے کیوں پسند کرینگی۔ نفیسہ نے بات کا پہلو بدل کر عرض کیا کہ اگر وہ پسند نہ کریں گی تو میں راضی کرلوں گی آپ اقرار تو کیجئے۔ یہ سُن کر آپ نے کہا کہ اچھا اگر چالیس سالہ خدیجہؓ کی مرضی یہی ہے تو محمدؐ کو بھی انکار نہیں۔

حضرت خدیجہؓ یہ سُنکر خوش ہوگئیں۔ ایک دن مقرر ہوا اور حضرت ابوطالبؓ، حضرت عباسؓ اور حضرت حمزہؓ اپنے ساتھ آپکو بی خدیجہؓ کے مکان پر لائے اِدھر سے حضرت ابوطالبؓ نے اور اُدھر سے ورقہ بن نوفل حضرت خدیجہؓ کے چچازاد بھائی نے خطبہ نکاح پڑھا اور ساڑھے بارہ اوقیہ سونا (ایکہزار چار سو اٹھاون روپیہ

سوا پانچ آنے کلدار) مہر باندھا گیا۔

کہاں ہیں وہ آجکل کے مسلمان، جو بیوہ عورتوں سے شادی کرنے کو کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ جو اپنے کنوارے لڑکوں کے لیے ناکتخدا لڑکیاں ڈھونڈھتے ہیں۔ جنابِ رسولِ کریم کے اس اسوۂ حسنہ کو بنظرِ ندامت دیکھیں اور اس سے نصیحت حاصل کریں تاکہ خلقِ نبی کریم کا دُنیا میں چرچا ہو اور مُسلمان سچے پیرو اور سچے مقلد کہے جانے کے قابل ہوں۔ سب سے زیادہ اُن سفید ریش بوالہوس بوڑھوں کو دل میں شرمانا چاہیئے جو ہمیشہ اپنے لئے کم سن دوشیزہ تلاش کرتے ہیں۔

حضرت خدیجہؓ ۱۵-۱۶ سال تک زندہ رہیں اور پانچ بچے آپ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ ایک بیٹے قاسم جو ایامِ رضاعت ہی

ہیں مر گئے۔ رقیہؓ۔ زینبؓ۔ فاطمہؓ۔ اور ام کلثومؓ چار لڑکیاں ہوئیں۔ جن میں سے بی رقیہؓ حضرت عثمانؓ ابن عفانؓ سے منعقد ہوئیں۔ اور بی بی زینبؓ حضرت ابو العاصؓ سے بیاہی گئیں۔ اور بی بی فاطمہؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عقد میں آئیں۔

قیام انجمن

اب آپ سن شعور کو پہنچ چکے تھے۔ اور وہ ملکی اصلاح کا روحانی مادّہ آپ کے دل و دماغ میں حرکت کر رہا تھا جس کا اظہار آپ کی ذات والاصفات کے لئے مخصوص تھا۔ چنانچہ آپ نے حضرت خدیجہؓ سے شادی کر کے جب فارغ البالی حاصل کی اور عسرت کی حالت جاتی رہی تو آپ نے اپنی پوری

توجہ اصلاح قوم کی طرف متوجہ کردی۔ راستے خطرناک تھے، ڈاکو نڈر تھے۔ غریبوں پر ظلم ہورہے تھے، عورتیں کس مپرسی کی حالت میں تھیں، لڑکیاں ہوتے ہی مار ڈالی جاتی تھیں ہر قبیلے کی آزادی خطرناک ہوتی جاتی تھی۔ بُت پرستی کی دھوم تھی اور بڑے بڑے فساد اور جھگڑے عرب میں پھیلے ہوئے تھے۔ کہ آپ کی تجویز و تحریک سے ایک انجمن حلف الفضول کے نام سے قائم ہوئی جس کے مقاصد یہ تھے۔

(۱) ملک سے بدچلنی اور بدامنی کو دور کرنا۔

(۲) مسافروں کی حفاظت کرنا۔

(۳) غریبوں کی امداد وحمایت کرنا۔

(۴) ظالم سے باز پرس کرنا اور مظلوم کی داد دینا۔

تصفیۂ معاملات

آپ ابھی خلعت نبوّت سے سرفراز نہیں ہوئے تھے - اور سرزمین عرب طرح طرح کے فسق وفجور میں آلودہ وپراگندہ تھی آپ تمام بدعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے اور خاموشی سے کام لیتے تھے - مگر بعض بعض امور میں ایسی رائے دیتے تھے کہ معاملہ بخوبی وخوبصورتی سے طے ہو جاتا تھا - اس زمانہ میں چند ایسے جھگڑے خاندان قریش میں اُٹھے کہ اگر آپ کی سُلجھی ہوئی طبیعت اُنہیں فیصل نہ کردیتی تو جھگڑا طول کھینچتا - اور معاملہ خدا جانے کہاں سے کہاں پُہنچتا - چنانچہ اہل عرب کا قدیم معبد کعبۂ شریف بوجہ آتش زدگی وسیلاب جگہ جگہ سے منہدم ہو گیا تھا اور اہل قریش اُسے از

سر نو تعمیر کر رہے تھے کعبۂ شریف کی تعمیر تو ختم ہو چکی تھی مگر سنگ اسود لگانا باقی تھا۔ اہل عرب کا ہر ایک قبیلہ اس کوشش میں تھا کہ اس پتھر کے نصب کرنے کا فخر اسی کو حاصل ہو۔ یہ ہی جاہلانہ جھگڑا تھا اور یہی وجہ مخاصمت۔ آخر بہت زیادہ ردوکد کے بعد ایک خفیہ مجلس میں یہ رائے قرار پائی کہ اگلے روز علی الصباح جو شخص سب سے پہلے اس راستہ سے گذرے اسی کے حکم کے مطابق عملدرامد کیا جائے۔ یہ تجویز ابو امیہ بن مغیرہ کی تھی جسے سب نے سر جھکا کر تسلیم کیا تھا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اگلے روز سب سے پہلے جناب رسول کریم ہی حرم شریف میں داخل ہوئے۔ آپ کو دیکھ کر تمام اہل قریش اچھل پڑے۔ اور عادت کے موافق شور کرنے لگے کہ "ھذا الامین رضینا ہ" یہ امین ہے ہم اسکے

فیصلہ پر راضی ہیں ۔غرضکہ معاملہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا آپ نے غور و تامل کے بعد فرمایا کہ سنگ اسود ایک چادر میں رکھا جائے اور اِس چادر کو ہر قبیلہ کا سردار اپنے ہاتھ سے تھام کے اُس جگہ تک لے چلے جہاں اِس پتھر کا نصب کیا جانا مقصود ہے ۔وہاں پہنچنے کے بعد میں اپنے ہاتھ سے اُسی نصب کر دوں گا۔

اس فیصلہ کو سب نے بلا تردید منظور کر لیا ۔چنانچہ ایسا ہی ہوا اور سنگ اسود حبیب خدا کے ہاتھ سے خانۂ کعبہ میں نصب ہو گیا۔

عالم قحط میں

تھوڑے عرصے کے بعد عرب میں سخت قحط پڑا ۔اور ہزاروں

آدمی اور جانور مرنے لگے۔ آپ کو تو اللہ نے رحمتہ اللعلمین کر کے
دُنیا میں بھیجا تھا اور آپ کی ذات سے غربا کو اور مفلسوں کو فیض
پہنچنا مشیت ایزدی تھی۔ اِسلئے اس قحط کے زمانہ میں آپنے
ایسی ایثار نفسی اور کشادہ دلی سے کام لیا کہ لوگ قحط کی تکلیف کو
بھول گئے۔ حضرت خدیجہ رضؓ نے اپنے تمام مال و اسباب کا مالک و
محافظ آپ کو کر دیا تھا پس آپ نے اُس مال کو خدا کی راہ میں
جی کھول کے صرف کر دیا۔ خیرات سے ہمیشہ مال میں زیادتی ہوتی
ہے۔ آپ جسقدر خیرات کرتے تھے اُتنی ہی برکت ہوتی تھی۔ اور
ہزاروں غُربا آپ کو دُعائیں دیتے تھے۔ اِس قحط کے زمانہ میں
آپ نے حضرت علی کرم کو اپنی کفالت میں لے لیا اور حضرت جعفر رضؓ
کو اپنے چچا حضرت عباس کی کفالت میں دے دیا اس طرح

یک جائی بار کفالت کی تقسیم ہوگئی۔ اس انتظام سے حضرت ابوطالبؓ بھی کسیقدر خرچ اخراجات سے سُبک دوش ہوگئے اور اپنے بھتیجے کو بہ نظر استحسان دیکھنے لگے۔

غلاموں کیساتھ حسن سلوک

عرب میں وہ زمانہ تھا کہ جو لوگ لڑائی میں گرفتار کئے جاتے تھے انہیں غلام بنا لیا جاتا تھا۔ چنانچہ زیدؓ بن حارث کو حکیم بن خزام حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے بازار عکاظ سے خرید کر لائے اور اپنی پھوپی کو بطور نذر دے دیا۔ حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت صلعم کی خدمت میں بطور ہدیہ حضرت زیدؓ کو پیش کیا۔ آپ نے بخوشی قبول فرما لیا اور پھر آزاد کر دیا۔ کہدیا کہ جہاں تمہارا جی چاہے

رہو، آؤ جاؤ تم مختار ہو۔ حضرت زیدؓ کے دل پر خُلقِ نبوی نے بہت بڑا اثر کیا اور آپ ہر وقت حاضرِ خدمت رہنے لگے جب آپ کے والد حارث کو خبر ہوئی تو وہ زرِ فدیہ لیکر اپنے لڑکے کو آزاد کرانے آئے۔ یہاں آکر کچھ اور ہی معاملہ دیکھا اور جب حضرت زیدؓ سے چلنے کو کہا تو اُنہوں نے صاف انکار کر دیا اور کہدیا کہ میں تو حضور اکرم کا بندۂ بیدام ہوں۔ مجھے رسول کریم کے اخلاق حسنہ میں کوئی اثر ایسا محسوس ہو رہا ہے جو ماں باپ کی شفقت اور اپنے گھر کی راحت سے زیادہ ہے۔ آنحضرت صلعم نے حضرت زیدؓ کو آزاد ہی نہیں کیا بلکہ اپنی پھوپی زاد بہن زینبؓ سے شادی بھی کرا دی۔

یہ ہے وہ اسلامی اخلاق جس کا نمونہ جناب رسول کریم نے

دُنیا میں سب سے پہلے دکھایا۔ اور دُنیا کو غلامانہ زندگی سے
بچانے کے لئے ایسے قاعدے اور ایسے قانون بنائے کہ دوسری
قوموں کا تمدن ہزار ہا سال بعد تک بھی نہ بنا سکا۔ غلاموں کو
آزادی میں ایسا مساوی حصّہ عنایت فرمایا کہ غلام رشتۂ غلامی میں
وابستگی کے بعد بھی غلام نہ تھا۔ اگر ایک اونٹ سواری کے
لئے ہوتا تو اثنائے سفر میں آدھے راستے آقا سوار چلتا اور
آدھے راستے غلام سوار ہو کر چلتا۔ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ
عنہ خلیفۂ دُوُم کو لوگوں نے اُس اونٹ کی نکیل تھامے دیکھا ہے
جس پر اُن کا غلام سوار تھا۔ کیا کوئی اور ملت، اس ملت بیضا کی
مساوات، اور انصاف و تہذیب کا مقابلہ کر سکتی ہے اور کیا
ہر ملت کے بانی و پیشوا، پیشوا ہونے سے پہلے ایسے ہی نیک

اعمال و افعال کا نمونہ تھے؟

عہدِ نبوت

جب آپ کا سن شریف چالیس سال کا ہوا تو آپ اکثر غارِ حرا میں تشریف لے جانے لگے۔ حرا مکہ معظمہ سے تین میل پر ایک پہاڑی ہے اس میں ایک تنگ و تاریک غار ہے۔ اسی غار میں آپ تشریف لاتے اور تین تین چار روز تک اسی میں معتکف رہتے تھوڑا توشہ آپ کے پاس ہوتا تھا اور اکثر جب وہ ختم ہو جاتا تھا اُسی وقت آپ باہر بھی رونق افروز ہوتے تھے۔ اب ہمّت، شوق، ظرف، غرض کہ ہر حالت رو بہ ترقی تھی۔ قوم کی بہبودی کا خیال دامنگیر تھا۔ اصلاح ملک کی دُھن لگی ہوئی تھی۔ اِدھر،

نبوت کا وقت آچکا تھا۔ سوتے جاگتے اکثر غیبی آوازوں سے آپ کے کان آشنا ہونے لگے۔ خواب میں مناظر قدرت آنکھوں کے سامنے آنے لگے۔ قلب میں ایک نورانی اور وجدانی کیفیت گدگدی پیدا کرنے لگی۔ عالم ارواح سے تقرب ہونے لگا۔ عالم ملکوت کا مشاہدہ چشم باطن سے قریب ہو گیا۔ سر سجدہ میں جھکا رہتا آنکھوں سے آنسو جاری رہتے اور آپ ایک نامعلوم کیفیت سے بیخود ہو کر خاموش پڑے رہتے لذات دینوی کا خیال دل سے دور ہو گیا تھا اور سینہ اس تجلی سی معمور ہو گیا تھا جو روز ازل میں قندیل عرش سے لیکر آپ کے پیکر میں چھپا دی گئی تھی۔ ربیع الاوّل کا مہینہ تھا، آٹھویں تاریخ تھی، اور دوشنبہ کی رات، جبکہ آپ تنہا غار حرا میں معتکف تھے، چاند آہستہ آہستہ اپنی نوری کرنیں آپ کے قدموں پر نثار کرنے کے لئے غار کے

منہ تک لا رہا تھا مگر خدا کے نبی کا جبروت اپنے زبردست آثار کے سامنے اُسے اجازت باریابی نہ دیتا تھا۔ جنگل سو رہا تھا، آسمان سو رہا تھا، زمین سو رہی تھی، تارے چادر مہتاب میں مُنہ چھپائے کن انکھیوں سے عالم اسباب کا نظّارہ کر رہے تھے، پتّہ پتّہ خاموش تھا، اور ذرّہ ذرّہ غیر متحرک، تمام اہل عرب کی آنکھوں میں نیند طلسم راحت بن کر سما چکی تھی، بچّے آغوش مادر میں۔ مچھلیاں کنار سمندر میں، طیور و وحوش غاروں اور آشیانوں میں میٹھی نیند کا مزہ لے رہے تھے، سمندر کا متلاطم پانی ہموار ہو کر ساکن ہو گیا تھا۔ ساری دُنیا پر خاموشی کی نقاب پڑی ہوئی تھی، اور خدا کا حبیب عالم سکوت میں سر بسجدہ تھا کہ یکا یک انجمن قدم سے ایک نور چمکا، ایک بجلی کوندی، ایک روشنی پھیلی اور کسی نے جناب رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام

سے بہ آواز بلند کہا اقراء باسم ربک الذی خلق ۔خلق الانسان

من علق ۔ اقراء و ربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان

مالم یعلم ط (پڑھ ، خدا کا نام لیکر جس نے پیدا کیا انسان کو پانی کے

کیڑے سے ۔ پڑھ ۔ اور رب تیرا کریم ہے جس نے علم دیا قلم کے ذریعہ

سے اور سکھائیں انسان کو وہ باتیں جن کا اُسے علم نہ تھا) حضرت

اس آواز کو سُن کر چونک پڑے ۔ اُمّی محض تھے ۔ کیا پڑھتے ۔ بدن کا

رونگٹا رونگٹا تھرّا گیا ۔ قلب پر وہ کیفیت طاری ہوئی جس کا اظہار بالکل

ناممکن ہے اور حسّیات نے وہ اثر محسوس کیا جو بیان میں نہیں آسکتا ۔

یہ سب سے پہلی وحی آسمانی تھی جو حضرت جبرئیل کی وساطت سے آپ

پر نازل ہوئی ۔ آپ اسی حالت میں ڈرتے کانپتے گھر تشریف لائے اور اوڑھ

لپیٹ کر لیٹ گئے جب دل کچھ مطمئن ہوا تو حضرت خدیجہ رضؓ سے کل ماجرا کہا اور فرمایا کہ

مجھے دہشت معلوم ہوتی ہے۔ حضرت خدیجہ رضؓ آپ کے اطوار و آثار سے واقف تھیں۔ اطمینان دلانے لگیں اور آپ کی نبوت کی قائل ہوئیں۔ اور اسی وقت اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں اور سارا ماجرا کہہ سُنایا۔ ورقہ بن نوفل ایک سن رسیدہ بزرگ شخص تھا یہ سنتے ہی "قدوس قدوس" پکارنے لگا اور کہنے لگا کہ جس امانت کے امین حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہ السلام تھے وہی امانت اب ہمارے رب نے تمہارے شوہر اور آل اسمٰعیل کے سپرد کی۔ میں بھی اُن کی نبوت کی گواہی دیتا ہوں میری طرف سے اُنہیں مژدہ سُناؤ۔

پھر تو حضرت علیؓ کرم ابن ابی طالب جن کی عُمر دس سال کی تھی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت زید بن حارثؓ وغیرہ اسی وقت آپکی

نبوت پر ایمان لے آئے۔ چند روز بعد حضرت بلالؓ۔ عمر بن عتبہؓ خالدؓ بن سعد بن عاص بھی مسلمان ہوئے اور سلسلۂ اسلام میں کڑیوں کا اضافہ ہونے لگا۔

تبلیغ

کوئی چھ مہینے اسی حالت میں گذر گئے کہ آپ پر خوف و رجا طاری رہتا اور آپ اپنے مختصر گروہ مسلمین کے ساتھ ڈرتے ڈرتے اصلاحی تعلیم کفار قریش کے کانوں تک پہنچاتے۔ گو آپ کو نبوت مل چکی تھی اور آثار و قرائن سے ثابت ہو رہا تھا کہ انوار نبوت آپ کی مقدس پیشانی میں جلوہ گر ہو چکے ہیں مگر آپ پھر بھی تبلیغ اسلام میں آزاد خیالی سے مجبور رہتے۔ آخر ایک روز جبکہ آپ قوم کے خیال میں محو

اور امداد ازلی کی منتظر صدا اوڑھے لپیٹے حضرت خدیجہ کے گھر لیٹے ہوئے
تھے دوسری مرتبہ آپ پر پھر وحی نازل ہوئی۔ جس کے الفاظ یہ تھے
یاایھا المدثر قم فانذر وربک فکبر وثیابک فطھر والرجز فاھجر
(ترجمہ) "اے چادر میں لپٹے ہوئے اُٹھ، خدا کے عذاب سے لوگوں
کو ڈرا اور اپنے پروردگار کی بزرگی بیان کر، اور اپنے لباس کو صاف
و پاک رکھ، اور نجاست سے دور رہ"
غار حرا میں وحی نازل ہونے کے بعد یہ دوسرا موقعہ نزول وحی کا
تھا۔ جسے سنتے ہی جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اُٹھ بیٹھے،
رگوں میں ہاشمی خون دوڑنے لگا۔ جوش تبلیغ میں حرکت پیدا ہوئی
اور خدا کا رسول خود کو خدا کا رسول سمجھکر وحدت و شریعت حقہ کی حمایت و اشاعت
کے لیے "الا اللہ" کہہ کر کھڑا ہو گیا۔ تین برس تک خدا کا حبیب خاموشی

اور آہستگی کے ساتھ لوگوں کو ملت ابراہیم کی طرف متوجہ کرتا رہا چنانچہ
تین سال کے عرصہ میں صرف تیس مرد اور عورتیں آپ پر ایمان لائیں
لیکن اہل عرب بڑے استعجاب و حیرت کے ساتھ آپ کی خاموشانہ
ترقی کو دیکھتے رہے کوئی اپنے دل میں آپ کو ساحر سمجھتا تھا، کوئی
کاہن خیال کرتا تھا، کوئی شاعر کہہ کر خوش ہو لیتا تھا اور بعض لوگ
اپنی جہالت کی وجہ سے آپ کو "مجنون" کا خطاب بھی دیتے تھے۔
لیکن آپ صبر و استقلال کے ساتھ حکم رب کے منتظر تھے یہاں تک کہ
ایک دن آپ پر وحی نازل ہوئی "فاصدع بما تومر و اعرض
عن المشرکین" ترجمہ (پس تجھے جو کچھ حکم ہوا ہے کھول کر سنادے
اور مشرکین کی ذرا بھی پروا نہ کر) جس کی حمایت خدا اس زور کے
ساتھ لے، جس کی ہمت خدا ان الفاظ کے ساتھ بڑھائے، کیا وہ

چھپکا بیٹھ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! اس آیت شریف کا نزول آپ کی رُکی ہوئی طبیعت اور تھمے ہوئے جوش کے لئے تازیانہ ہو گیا آپ تبلیغ وحدت کے لئے علانیہ نکل کھڑے ہوئے۔ اور کوہِ صفا پر پُہنچے جس کی بلند چوٹی پر کھڑے ہو کر تمام اہلِ قریش کو نام بنام پُکارنا اور بُلانا شروع کیا ؎

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی　　عرب کی زمیں جسنے ساری ہلا دی
نئی اک لگن سب کے دل میں لگا دی　　اک آواز میں سوتی بستی جگا دی

پڑا ہر طرف غُل یہ پیغام حق سے
کہ گونج اُٹھے دشت و جبل نام حق سے

اہلِ قریش اپنے اپنے گھروں سے گھبرائے ہوئے نکل کھڑے ہوئے۔ اور پہاڑ کے دامن میں آ آکر جمع ہونے لگے۔ سب آپ

کی دعوت کو حیرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے آپ کی امانت، صداقت، حلم، جود و عطا، عقل سلیم اور تقدس کی دھاک تو پہلے ہی اہل عرب کے دلوں پر بیٹھ چکی تھی۔ سب اسی انتظار میں تھے کہ دیکھیں آج یہ ابن عبداللہ کیا نیا واقعہ سناتا ہے اور ہم لوگوں کو چلا چلا کر بلانے سے اس کا مطلب کیا ہے؟

جب تمام اہل قریش جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ اے لوگو اللہ ایک ہے اور میں اس کا رسول ہوں۔ بت پرستی چھوڑ دو اور سچے موحد بنو۔ تاکہ جو وقت آنے والا ہے تم اس کی مصیبتوں سے نجات پاؤ۔ اس مجمع میں آپ کا چچا ابولہب بھی تھا۔ یہ سنکر کھسیانی ہنسی سے ہنسا اور کہنے لگا کہ "بس اتنی سی بات کے لئے آپ نے ہمیں اسقدر تکلیف دی" اور چلا گیا۔ تمام اہل قریش بھی برا بھلا کہتے

ہوئے اپنے اپنے گھر سدھارے اور آپ کی تبلیغ پر کوئی متوجہ نہوا

اہل قریش کی اس غفلت اور ناشنوائی کو دیکھکر جناب رسالت

مآب کوہِ صفا سے نیچے تشریف لائے۔ اور افسوس کرنے لگے۔ پھر

بازاروں اور شاہراہوں پر علانیہ وعظ و نصیحت کرنے لگے اور بُت

پرستی پر باقاعدہ وعظ کہنا شروع کر دیا۔

دشواریاں

یہ مانی ہوئی بات ہے کہ جب کوئی شخص کسی امر نیک کی تبلیغ

اور بد خلقی و بد تہذیبی کی اصلاح کے لئے کمر بستہ ہوتا ہے تو سارا

زمانہ اُس کا دشمن جانی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آپ بھی اس کلیہ سے

نہ بچ سکے۔ سب سے پہلے اہل مکہ حضرتِ ابو طالبؑ کے پاس گئے

اور کہنے لگے آپ اپنے بھتیجے کو سمجھائیں یہ ہمارے معبودوں کی سر بازار تذلیل و تشہیر کرتا ہے۔ ہم صرف آپ کی وجہ سے خاموش ہیں ورنہ اس زبان درازی کا مزہ چکھا دیتے۔ آپ نے جناب رسول کریم کو خلوت میں بلا کر سمجھایا کہ بیٹا تو بیشک خیر خواہ قوم ہے۔ اور تیرا دین بھی برحق ہے لیکن تو دیکھتا ہے کہ تیرے وعظ و نصیحت سے قوم میں جوش اور غصہ پیدا ہو گیا ہے مصلحت یہی ہے کہ اس سلسلہ کو بند کر دیا جائے اور اپنے اہل قوم کو دشمن نہ بنایا جائے۔ آپ نے فرمایا چچا جان یہ سچ ہے کہ اعلائے کلمۃ اللہ سے قوم میں غصہ کے آثار پیدا ہیں مگر میں کیا کروں کہ حکم خدا کا پابند ہوں۔ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا، احکام الٰہی کی تبلیغ کر رہا ہوں۔ اور اس سے باز نہیں آ سکتا۔ اس کا نتیجہ میرے لئے کیسا ہی خوفناک کیوں نہ ہو مگر میری

زبان اظہار صداقت سے نہیں رُک سکتی۔ حضرت ابو طالب اپنے بھتیجے کے اِس بیان سے خاموش ہو گئے اور درپردہ حمایت و اعانت کا وعدہ فرمایا۔ جب اہل قریش نے دیکھا کہ ابو طالب کا اثر بھی کچھ نہ ہوا تو انہوں نے اپنی جماعت کی طرف سے ایک سفیر آپ کی خدمت میں بھیجا جس نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ جو سرراہ ہمارے معبودوں کی تحقیر اور اپنے مذہب کی تبلیغ فرماتے ہیں اس سے آپ کا مقصود کیا ہے اگر دولت حاصل کرنا ہے تو ہم اتنی دولت دے سکتے ہیں کہ آپ تمام اہل عرب سے زیادہ مالدار ہو جائیں۔ حکومت کی خواہش ہو تو ہم اپنا سردار بنانے کے لئے تیار ہیں۔ اگر کسی حسین عورت کی تمنّا ہے تو جو آپ کی نگاہوں میں سب سے زیادہ حسین عورت ہو ہم اُسے آپ کے سپرد کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔

آپ نے سفیر قریش کی یہ تمام باتیں با دل ناخواستہ سُنیں اور فرمایا کہ میں اس کے سوا کچھ نہیں چاہتا کہ تم سب اللہ کو اپنا معبود واحد جانو اور مجھے اُس کا رسول برحق مانو۔ بت پرستی سے توبہ کرو اور خدا پرستی اختیار کرو۔ میرے دل پر دنیا کی تمام آسائشیں، دولتیں حُسن، اور حکومتیں ذرا بھی اثر نہیں کر سکتیں میں تو اپنے پروردگار کا پرستار اور اپنی قوم کا سچا مُصلح ہوں۔ اِن مواعظ کا اثر سفیر قریش کے دل پر بہت گہرا بیٹھا اور وہ خاموش و ناکام آپ کی خدمت سے واپس چلا گیا۔

جب دوسری تدبیر اور کوشش میں بھی دشمنان نبی ناکام رہے تو اُنھوں نے علانیہ آپ کی مخالفت شروع کی حج کیلئے جو لوگ دُور دُور سے بھی مکہ معظّمہ میں آتے اُن سب سے کہدیا جاتا کہ یہاں ایک

شخص ہے "محمد"، وہ بہت بڑا ساحر ہے اُس کی باتوں میں کوئی
نہ آئے۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ آپ کے راستے میں
کانٹے بچھائے گئے، آپ کی گردن میں پگڑی کا پھندا ڈالا گیا۔ آپکو
گالیاں دی گئیں، ڈھیلے مارے گئے، سنگسار کیا گیا۔ آپ کے
جسم پر خاک ڈالی گئی۔ ایک مرتبہ آپ نماز میں مصروف تھے کہ کسی بے ادب
نے حالتِ سجدہ میں اونٹ کی اوجھڑی لاکر آپ کی پشت پر ڈالدی
غرضکہ آپ کو ہر طرح اذیت پہنچائی گئی۔ دق کیا گیا کہ آپ تبلیغ سے
باز آئیں، مگر آپ پر جسقدر مصیبتیں ٹوٹتی تھیں آپ کا استقلال بڑھتا
جاتا تھا۔ اور جن لوگوں کے دلوں میں خدا نے نیکی دی تھی وہ
آپ پر ایمان لاتے جاتے تھے۔ مشرکین مکہ اُن لوگوں کے ساتھ
بھی طرح طرح کی بدسلوکیاں کرتے تھے جو آپ پر ایمان لاکر آپکا

کلمہ پڑھتے تھے۔ انہیں مسلمان جان نثاروں میں حضرت بلال رضؓ
بھی تھے۔ جو امیّہ بن خلف کے غلام تھے۔ امیّہ حضرت بلال رضؓ
کو صرف اس قصور پر کہ وہ خدا کو ایک اور اس کے رسول کو
برحق کہتے تھے طرح طرح کی اذیتیں دیتا تھا۔ آپ کو دوپہر کے
وقت جلتی ہوئی ریت پر برہنہ لٹا دیتا اور ایک گرم بھاری پتھر
آپ کے سینہ پر رکھدیتا اور کہتا کہ یہ کلمہ جو تو پڑھا کرتا ہے چھوڑ دے
مگر واہ رے محبت اسلام حضرت بلال رضؓ اس کا جواب نہایت درشتی
سے دیتے اور ان کی زبان اقرار وحدت و رسالت سے کبھی
خاموش نہ ہوتی۔ آخر آپ کو حضرت ابوبکر رضؓ نے خرید فرما کر آزاد
کر دیا اور آپ آزادی کے ساتھ حضرت رسول کریم کی خدمت
میں رہنے سہنے لگے۔

ہجرت حبشہ

جب اہل قریش کے مظالم کی کچھ انتہا نہ رہی، اور اُن کے ہاتھوں مسلمان قتل اور بے حرمت ہونے لگے تو جناب رسول خدا نے ایک دن مومنین کو جمع کر کے فرمایا کہ تمہارے اہل وطن اب تمہاری جان کے دشمن ہیں بہتر ہے کہ تم لوگ ابی سینیا کی طرف ہجرت کر جاؤ وہاں کا حاکم صاحب کتاب ہے وہ تم پر ضرور رحم کرے گا۔ چنانچہ آپ کے فرمان کے مطابق دو قافلے جن میں ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں تھیں مکہ معظمہ سے ابی سینیا کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب یہ قافلہ اسلام کی سچی محبت اور توحید کی قیمتی امانت لیکر حبشہ پہنچا اور وہاں مقیم ہوا تو اہل قریش نے بھی ان لوگوں کا تعاقب کیا۔ اور ایک

قریشی سفیر عمرو بن العاص کچھ تحفے تحائف لیکر نجاشی حاکم ابی سینیا کے پاس پہنچا۔ دربار میں پہنچکر اُس نے بادشاہ سے عرض کیا کہ کچھ لوگ جو ہمارے غلام ہیں عرب سے بھاگ کر اس ملک میں پناہ گزیں ہوئے ہیں آپ انہیں ہمارے حوالے کردیں۔ ان لوگوں نے اپنا آبائی دین چھوڑ دیا ہے اور سب سے بڑا ستم یہ ہے کہ یہی لوگ آپ کے دین عیسوی کے بھی خلاف ہیں۔ نجاشی نے یہ سُنکر مہاجرین کو اپنے روبرو طلب کیا اور اہل قریش کا استغاثہ اُن کے سامنے پیش کرکے حقیقت حال کا جویا ہوا۔ مہاجرین میں سے حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نجاشی کے سامنے کھڑے ہوئے اور تمام مہاجرین کی طرف سے جواب دیا کہ :۔ اے حاکم حبشہ ہمارا احوال بغور سُن، ہم جہالت کی تاریکی میں گھرے ہوئے تھے

راستہ ہمارے قدموں سے دُور ہو گیا تھا۔ پتھر درخت اور لوہا ہماری پرستش کی چیزیں تھیں۔ مُردار چیزیں ہماری خوراک تھیں دختر کشی، اور عصمت فروشی کو ہم لوگ فخر سمجھتے تھے۔ نہ ہم میں انسانی ہمدردی تھی نہ ہمارا اخلاق درست تھا۔ نہ ہم کسی قانون کے پابند تھے نہ ہمارے ملک میں کوئی قاعدہ تھا۔ غرض کہ ہم حیوانوں کی سی زندگی بسر کر رہے تھے۔ کہ یکایک خدائے برتر کو ہماری حالتوں پر رحم آیا۔ اور اُس نے ہمیں میں سے ایک شخص کو ہمارا ہادی بنا کر ہم پر ظاہر کیا۔ اُن کا نام محمدؐ ہے وہ عبداللہؓ کے بیٹے، عبدالمطلبؓ کے پوتے اور ابو طالبؓ کے بھتیجے ہیں۔ ہم اُنکی دیانت داری، صداقت، ہمدردی اور خوش اخلاقی کے زندہ گواہ ہیں وہ ہم سے فرماتے ہیں کہ خدا کو لاشریک جانو، مجھے اُس کا رسول

مانو، بتوں کو نہ پوجو، خیانت اور زنا نہ کرو، عصمت وعفت کی حفاظت رکھو، یتیموں کے مال نہ کھاؤ، بیٹیوں کو ہلاک نہ کرو۔ نماز پڑھو، صدقہ دو، ہمسایہ کے حقوق کا خیال رکھو، ہم لوگ اُن پر ایمان لائے، ہم نے اُنہیں اپنا ہادی، رسول، اور پیمبر مانا بس یہ سبب ہے کہ ہماری قوم ہم سے بگڑ رہی ہے اور ہمیں طرح طرح کی سخت اذیتیں دی جاتی ہیں کہ ہم کسی طرح اپنے عقائد چھوڑ دیں اور اُن کی گمراہ جماعت سے مِل جائیں۔ جب اِن کی ایذا رسانی ناقابل برداشت ہوگئی تو مجبوراً ہم جناب محمد الرسول اللہ صلعم کے ایما سے اس شہر کی طرف چلے آئے، جہاں ہمیں پناہ ملنے کی پوری توقع اور اُمید ہے۔

نجاشی ہی نہیں بلکہ تمام اہل دربار پر اس تقریر نے خاص اثر

کیا۔ اہل قریش حضرت جعفرؓ کی اس آزادگفتاری سے متاثر ہو کر انکا مُنہ دیکھنے لگے ادھر نجاشی نے کہا کہ اے سردار تمہارے رسول پر جو کلام خدا کی طرف سے اترا ہے اُس میں سے کچھ سُناؤ۔ حضرت جعفرؓ نے سورہ مریم کی تلاوت شروع کی۔ الفاظ کی برجستگی، کلام کی صداقت و سلاست، زبان کی رعنائی، فصاحت کی خوبی، بیان کی خوبصورتی اور واقعات کے حسن نے نجاشی کو ازخود رفتہ کر دیا اُس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور بے اختیار کہنے لگا کہ "قسم ہے خدا کی یہ تو وُہی کلام ہے جس کی آواز طور کی چوٹی، اور بیت اللہ کے گوشہ میں گونجی تھی، جس شخص پہ یہ کلام نازل ہوا بے شک وہ پیمبر ہے، اور تم لوگ سچے اور سیدھے راستے پر ہو۔"

یہ کہہ کر اہلِ قریش کو دربار سے نکال دیا۔ اُن کے تحفے تحائف ٹھوکر مار کر دربار سے باہر کر دیئے۔ اور مسلمانوں کو حکم مِلا کہ وہ ابی سینیا میں جہاں چاہیں آزادی، اطمینان اور امن و امان کے ساتھ بسر کریں۔ ادہر نجاشی حضرت جعفرؓ کو روز بلاتا تھا، قران کریم کی تلاوت کرواتا تھا، اُس کے دِل میں ایمان اور صداقتِ کلام اپنا اثر کرتی جاتی تھی، یہاں تک کہ وہ اپنے جذبات و خلوص اعتقاد کو نہ روک سکا اور جناب رسول کریم صلعم پر ایمان لے آیا۔

حضرت حمزہؓ و حضرت عمرؓ

یہ پہلا موقعہ تھا کہ اسلام اور عیسائیت دونوں بغلگیر ہوئے اور عیسائیت نے اسلام کو اپنی آغوش میں بڑی محبت کے ساتھ

لیا۔ مہاجرین تو وہاں بہ آرام رہنے سہنے لگے مگر کفار عرب بھلا
اپنی کرنی سے کب چوکتے تھے۔ پس ماندگان مہاجرین میں سے
جو مکہ میں ملتا اُسی کو ستاتے اور خود جناب سرورِ کائنات کے
ساتھ ایسے ایسے ظلم روا رکھتے کہ جن کے بیان سے دل کو صدمہ
پہنچتا ہے۔ چنانچہ ایک روز آنحضرت صلعم کوہ صفا پر بغرض وعظ
تشریف لے گئے تھے۔ کمبخت ابوجہل وہاں جا پہنچا۔ اور ایک پتھر
اس زور سے مارا کہ آنحضرت کا سر مبارک زخمی ہوگیا اور آپ
گھر چلے آئے راستہ میں جبکہ حضرت حمزہؓ شکار سے واپس چلے
آرہے تھے ایک شخص نے آپ سے کہا کہ تمہیں کچھ معلوم ہی
آج تمہارے بھتیجے کا سر ابوجہل نے پھوڑ ڈالا اور اُنہیں زخمی
کردیا۔ حضرت حمزہؓ یہ سُنتے ہی غصّے میں بھر گئے اور فوراً ابوجہل

کی طرف دوڑے۔ وہ ایک جگہ بیٹھا ہوا تمسخر و تعیش میں مصروف
تھا کہ آپ نے ایک تیر ایسا مارا کہ اُس کے سر کو توڑتا ہوا نکل گیا۔
اس کے بعد آپ طواف خانۂ کعبہ کے لئے تشریف لے گئے اور
وہاں سے واپس آکر حضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور
کہنے لگے کہ اے محمدؐ کچھ رنج نہ کرو میں نے تمہارے دشمن سے
بدلا لے لیا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ کیسے؟ عرض کیا کہ میں بھی ابوجہل
کا سر توڑ آیا ہوں آپ نے فرمایا کہ چچا جان میرا دل تو اُسوقت
خوش ہوگا جب آپ ایمان لے آئیں گے۔ میں دشمنان اسلام
سے کوئی بدلا نہیں چاہتا۔ نہ اُنہیں تکلیف پہنچانا چاہتا ہوں۔
حضرت حمزہؓ نے یہ سُن کر عرض کی کہ ہاں میں بھی اسی ارادہ سے
آیا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ نے کلمۂ شہادت پڑھا اور مشرف

بہ اسلام ہو گئے۔

حضرت حمزہؓ بڑے بہادر اور جری شخص تھے اِن کے مسلمان ہو جانے کا اثر کفار قریش کے دلوں پر بہت بُرا پڑا۔ اور وہ اب خفیہ و علانیہ مجلسیں کر کر کے مسلمانوں کی تخریب و تذلیل کے پہلو سوچنے لگے۔ چنانچہ ایک دِن ابوجہل نے تمام سردارانِ قریش کو ایک کمیٹی میں جمع کیا اور نہایت پُراثر اور جوشیلے الفاظ میں اپنی جاہل قوم کو مخاطب کر کے کہنے لگا کہ اے لوگو، اے قریشیو، ایک اُمّی، ایک یتیم شخص نے تمہارے تمام معبودوں کو ذلیل کر دیا۔ وہ تمہارے معبودوں کی سرِ راہ عام توہین کرتا ہے اور تم آج تک اُس کا بال بھی بیگانہ کر سکے۔ تمہاری غیرت کیا ہوئی، تمہاری بہادری اور جوانمردی کہاں گئی، تمہارے باپ دادا کی عزت ایک ناتواں

اور بے حمایت شخص کے ہاتھوں رسوا ہو رہی ہے اور تم اس سے انتقام نہیں لیتے۔ میں اس بھرے مجمع میں ایک ایک جوان مرد کو چیلنج دیتا ہوں کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سر کاٹ کر لے آئیگا میں اسے سو اونٹ انعام میں دونگا۔ مجھے دیکھنا ہے کہ تم میں سے کون سا سورما اس کام کا بیڑا اٹھاتا ہے۔

یہ الفاظ نہ تھے بلکہ ایک بجلی تھی جو جہلائے عرب کے وحشی دلوں میں گھر کرتی چلی گئی، ایک برقی رَو تھی جو اِدھر سے اُدھر تک دوڑ گئی، اور ہر شخص قتل نبی ہاشمی پر کمربستہ نظر آنے لگا۔ مگر اس جماعت میں سے سب سے پہلے جو شخص تلوار لیکر اٹھا وہ حضرت عمرؓ تھے۔ آپ نے ابو جہل سے فرمایا کہ اگر تو اپنے وعدہ پر قائم رہے تو میں اس کام کو انجام دینے کے لئے تیار ہوں۔ ابو جہل نے

خانۂ کعبہ میں جا کر ھبل کے سامنے قسم کھائی اور حضرت عمرؓ شمشیر بکف
بارادۂ قتل خانہ رسول اکرم کی طرف روانہ ہوگئے۔

راستہ میں آپ کو ایک شخص ملا اور آپ کے تیور بگڑے ہوئے دیکھکر پوچھنے لگا کہ آپ کس ارادہ سے جا رہے ہیں آپنے آپ نے اپنے ارادہ کو آزادانہ بیان کر دیا جسے سُن کر وہ رہگیر بولا کہ مجھے آپ پر سخت افسوس آتا ہے کہ آپ اپنے گھر سے بیخبر ہیں اور محمدؐ کے قتل پر کمربستہ ہیں۔ ذرا اپنی بہن کے گھر جا کر تو دیکھئے کیا ہو رہا ہے۔ دونوں میاں بیوی اسلام کے رشتہ سے وابستہ ہو چکے ہیں اور اُن کے گھر میں کلام ربّانی پڑھا جا رہا ہے۔

یہ سُن کر حضرت عمرؓ سے غصہ ضبط نہ ہو سکا اور آپ لوٹ کر

سیدھے اپنی بہن کے گھر پہنچے، اِن کی خون چکاں آنکھوں اور

تیز تلوار کو دیکھکر اِن کی بہن بہت گھبرائیں اور جلدی سے وہ کاغذ

جس پر کچھ آئتیں یا سورتیں لکھی ہوئی تھیں جلتے ہوئے تنور میں ڈال

دیں اور تنور کو بند کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ تم ابھی کیا پڑھ رہی

تھیں۔ وہ کہنے لگیں کہ میرا شوہر کچھ آئتیں کاغذ پر لکھ لایا تھا۔

انہیں پڑھ رہی تھی۔ پوچھا وہ کاغذ کہاں ہے؟ عرض کی آپ

کے خوف سے اس تنور میں ڈالدیا۔ آپ نے فوراً تنور کھول کر

جو دیکھا تو وہ کاغذ بجنسہٖ اُس تنور میں پڑا ہوا ملا۔

آپ نے وہ کاغذ نکالا اور اپنی بہن

سے کہا کہ اسے پڑھو اور مجھے بھی سناؤ۔ بہن نے ڈرتے ڈرتے

پڑھا۔ وہ سورۂ حدید کی چند آیتیں تھیں۔ جن کو سُن کر حضرت عمرؓ

بے تاب ہو گئے اور جناب جناب رض سے فرمایا کہ مجھے اسیوقت حضور کے پاس لے چلو۔

حضرت جناب رض آپ کو حضرت ارقم رض کے مکان پر لے گئے جہاں جناب سرور کائنات معہ دیگر اصحاب کے دروازہ بند کئے ہوئے بیٹھے تھے۔ ابوجہل کے چیلنج اور حضرت عمر رض کے ارادہ کی اطلاع پہلے ہی ہو چکی تھی۔ تمام لوگ خائف تھے کہ دیکھیے اب عمر رض آتے ہیں تو کیا رنگ لاتے ہیں۔ کہ یکایک حضرت عمر رض نے کنڈی کھٹکھائی۔ تمام لوگ ڈر گئے مگر خود آنحضرت صلعم اٹھے کنڈی کھولی۔ دروازہ کھولا، اور حضرت عمر رض معہ حضرت جناب رض اندر داخل ہوئے۔

اللہ اللہ ایک عجیب وقت تھا، عجیب زمانہ تھا اور عجیب منظر

تھا، کفارِ قریش کا سب سے زیادہ جری اور بہادر جوان، تلوار
گلے میں ڈالے ہوئے جنابِ رسول کریم کے سامنے آتا ہے
آپ دریافت کرتے ہیں کہ "اے ابنِ خطاب کیا ارادہ ہے" یہ
الفاظ ابھی ختم نہیں ہوتے ہیں کہ حضرت عمرؓ دوڑ کر قدموں
پر گرنا چاہتے ہیں۔ کلمۂ شہادت بے اختیار اُن کی زبان سے
جاری ہو جاتا ہے، جنابِ رسول کریم اُن سے ہم آغوش ہوتے
ہیں گلے سے لگاتے ہیں اور اُنہیں جنت کی خوشخبری سُناتے
ہیں۔ یہ تھی اسلام کی تلوار، جس نے بڑے بڑے منکروں کی گردنوں
کو بغیر خط لگائے جھکا دیا۔ اور یہ تھا اسلام کا خلقِ عظیم جس نے
کفارِ قریش کے سورماؤں کو مرعوب و عاجز بنا دیا۔ جو لوگ اسلام
کو الزام دیتے ہیں کہ یہ بزورِ شمشیر پھیلایا گیا وہ اِس واقعہ کو بغور

پڑھیں اور اپنے خیالات کی غلطی سے آگاہ ہوں۔ جب حضرت عمرؓ آپ پر ایمان لے آئے تو قریش بہت پشیمان اور پریشان ہوئے۔ اِدھر حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ آپ یوں کب تک پوشیدہ طور پر ادائے فرائض کرتے رہیں گے۔ بیخوف وخطر چلیئے اور خانۂ کعبہ میں علانیہ نماز ادا کیجئے۔ چنانچہ ۴۰ مسلمانوں کی معیت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خانہ کعبہ تشریف لیگئے اور وہاں باجماعت نماز ادا کی گئی۔ اب سے سربازار اور ہر شاہراہِ عام پر آزادانہ وعظ ہونے لگے اور اسلام کو حضرت عمرؓ سے بہت زیادہ تقویت پہنچنے لگی۔

"مردے از غیب بروں آید و کارے بکند"

ترکِ برادری

حبشہ سے اہلِ قریش کی ناکامیوں کی خبر آچکی تھی اس لئے مکہ میں اِس واقعہ سے اور بھی برہمی پھیلی۔ اور جب کوئی تدبیر کارگر ہوتی نظر نہ آئی تو لوگوں نے آپ کو تکلیف دینے کی ایک اور تجویز کی۔ یعنی خانہ کعبہ میں ایک اشتہار آویزاں کرایا کہ کوئی شخص آنحضرت اور آپ کے کنبے والوں سے برادری نہ رکھے شادی بیاہ کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا سب موقوف۔ موت زندگی میں آنا جانا سب بند اور سارے رشتے ایک دم منقطع کر لئے جائیں خرید و فروخت بھی قطعاً بند کر دی جائے۔ اس اعلان کے آویزاں ہوتے ہی تمام اہلِ قریش نے اس پر عملدرآمد شروع کر دیا۔ اور اس

عہد نامہ پر جملہ مشرکین مکہ کی مُہریں کردی گئیں۔

جب لوگوں نے یہ نامہربانیاں دیکھیں تو جناب رسول کریم معہ اپنے قبیلے کے شعب ابوطالب کی گھاٹی میں جاکر مقیم ہوئے۔ جو تکلیفیں اور مصائب آپ کو اِس زمانۂ ناساعد میں پیش آئیں وہ ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔ بچے بھوک اور پیاس سے چلاتے تھے۔ اُن کے رونے کی آوازیں مکہ میں آتی تھیں اور اہل مکہ اپنی تیرہ درونی کی وجہ سے اُن آوازوں پر ذرا بھی کان نہیں دھرتے تھے ایام حج میں جب باہر سے کچھ قافلے مکہ آتے تھے تو آپ گھاٹی سے نکل کر اُن میں تبلیغ توحید کرتے تھے مگر ابولہب آپ کی سخت مخالفت کرتا رہتا تھا۔ اور لوگوں کو مجبور کرتا تھا کہ وہ آپ کی باتیں نہ سُنیں۔

یہ حالت تین برس تک قائم رہی۔ مگر کسی خدا کے بندے کو آپ پر اور آپ کے خاندان و اصحاب پر رحم نہ آیا۔ آخر خدا ہی کی رحمت نے جوش مارا اور ہشام ابن عمر اور زبیر ابنؓ ابو امیہ کی کوششوں سے بنوت کے دسویں سال وہ عہدنامہ پھاڑ ڈالا گیا۔ اور آپ بدستور اہل مکہ سے ملنے جلنے لگے۔

ایک مصنوعی پیمبر، جو نبوت کا دعویٰ محض دُنیا کو پھُسلانے اور فریب میں لانے یا ترنوالے اُڑانے کے لئے کرے اِس امتحان گاہ میں کبھی ثابت قدم نہیں رہ سکتا، لیکن وہ خدا کا سچا نبی، جو استقلال و ہمت صداقت، و راستبازی، صبر و تحمل اور استقامت کے ساتھ اپنے مقاصد کی تبلیغ میں مصروف تھا اپنی مصیبتوں سے ذرا بھی نہ گھبرایا۔ اور گو بھوک اور پیاس سے

جان لبوں پر آتے آتے رہ گئی تاہم اعلائے کلمۃ اللہ سے زبان بند نہ کی۔

اس واقعہ کے آٹھ مہینے بعد حضرت ابوطالب رضؓ نے ستاسی برس کی عمر میں وفات پائی۔ اور اس سانحہ کے تیسرے دن آپ کی ہر دلعزیز محترم بیوی حضرت خدیجہ رضؓ نے بھی ۶۵ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ اور مقبرہ حجون واقعہ مکہ مکرمہ میں دفن ہوئیں۔ اِن سانحوں کی وجہ سے اِس نامبارک سال کا نام عام الحزن رکھا گیا۔

دوسرا نکاح

اسی اثنا میں حبشہ سے ایک عورت جس کا نام سودہ رضؓ

تھا بے پناہ و بے یار و غمگسار آپ کے پاس آئی۔ یہ آپ سے عمر میں کچھ بڑی تھیں۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ اُس کا بیٹا عبدالرحمٰن جو ہجرت کرکے حبشہ گیا تھا انتقال کرگیا اور وہ بیوہ بھی ہے۔ کوئی اُس کا والی وارث نہیں ہے تو آپ نے اُس کے ساتھ نکاح کرلیا۔ اور ایک ایسے مصیبت و تکلیف کے غیر محفوظ زمانہ میں ایک بے پناہ عورت کو پناہ دیکر اپنے خلق عظیم کا پورا پورا ثبوت دے دیا۔

ہجرت طائف

کفار قریش کی شقاوت بدستور چلی جاتی تھی۔ وہ طرح طرح سے آپ کو ظاہری و باطنی تکلیفیں پہنچا رہے تھے۔ اِس لئے

آپ نے مکّہ سے باہر جانا مناسب سمجھا۔ اور وعظ ونصیحت کرتے ہوئے طائف جا پہنچے۔ آپ کے ساتھ زیدؓ بن حارث بھی تھے طائف مکّہ سے ستر میل کے فاصلہ پر جانب شمال ایک پہاڑی پر واقع ہے۔ یہاں پہنچکر آپ نے اہلِ طائف کو خدا کے سچّے مذہب کی طرف بُلایا مگر افسوس وہاں بھی لوگوں نے آپ کو کامیاب نہونے دیا۔ طرح طرح کی تکلیفیں دیجانے لگیں۔ آخر ایک مہینہ نہ گذرا تھا کہ اہل طائف آپ کو اور حضرت زید کو زخمی کر کے طائف سے باہر کر آئے۔ اللہ اکبر منکران نبوت کی شقی القلبی کس حدتک بڑھ گئی تھی۔ اور آپ کی پیہم ناکامیاں آپکو کس درجہ پریشان کر رہی تھیں۔ لیکن آپ کبھی کسی کو دُعائے بد نہ دیتے تھے۔ بلکہ خدا سے التجا کرتے تھے کہ وہ اُن لوگوں کو راہِ راست

پر لائے۔ اور جن دلوں میں حقیقت اسلام کے سمجھنے کا مادہ نہیں ہے
اُنہیں اس کے قبول کرنے کی صلاحیت عطا فرمائے۔

کیا رقیبوں سے بُرائی کا عوض لیں احسن
رنج ہمکو کبھی دشمن کا گوارا نہ ہُوا

اہل یثرب

چار و ناچار جناب رسول کریم پھر مکہ معظمہ میں واپس آئے۔ اور تبلیغ توحید میں جہاں تک ہو سکا سرگرم رہے۔ لیکن کفار قریش بدستور آپ کی ایذا رسانی کے درپے تھے۔ ایک دن مکہ سے باہر آپ جا رہے تھے کہ راستہ میں چھ یثربی آپ کو ملے۔ جو ایک جگہ آپس میں کچھ گفتگو کر رہے تھے۔ آپ نے اُن سے

مخاطب ہو کر کلمۂ حق اُنہیں سُنایا۔ اور دین اسلام کی طرف متوجہ کیا۔ خدا نے اُنہیں توفیق دی تھی کہ وہ سب کے سب مُسلمان ہو گئے۔ اور یثرب پُہنچکر اپنی برادری میں بشارت رسول کا اعلان کیا۔ بعض لوگ جو نبی کے منتظر تھے اور جو صحف قدیم میں اس قسم کی بشارتوں سے پہلے ہی آگاہ ہو چکے تھے دوڑے دوڑے آئے اور مُسلمان ہو گئے۔

واقعہ معراج

یہ نبوت کا بارہواں سال تھا۔ اسی سال ہیں آپ کو معراج حاصل ہوئی۔ یہ ایک حالت تھی جو جناب رسول خدا پر ایک مبارک رات میں طاری ہوئی۔ بندہ خدا سے مِلا۔ اور خدا بندے سے

مقامات معراج میں اختلاف ہے۔ مسلّم بات یہ ہے کہ آپ مسجد حرام میں مصروف خواب تھے۔ کہ آپکو رتبہ معراج حاصل ہوا۔ اور اللہ نے اپنی نشانیاں آپ کو دکھائیں۔ نماز کا تحفہ اُمت مرحوم کے لئے آپ دربار احدیت سے دُنیا میں لائے۔ جنت دوزخ کی سیر کی۔ اور وہ دیکھا جو ایک انسان کی آنکھ دیکھ نہیں سکتی۔ اور وہ سُنا جو ایک انسان کے کان سُن نہیں سکتے۔

دقایق معراج کو روحانیت سے تعلق ہے اس لئے اس کی موشگافی کے لئے دفتر کے دفتر ناکافی ہیں۔

اللہ اللہ قرب معراجِ رسول ۔۔۔ دو کماں سے فرق ادنیٰ رہگیا
اُٹھ گئے مابین کے سارے حجاب ۔۔۔ بس فقط آنکھوں کا پردا رہگیا

ترقی اسلام

بنوت کے تیرہویں سال ایک بہت بڑی جماعت یثرب سے
سے مکہ معظمہ آئی۔ جس میں پچہتر نفوس تھے، اور سب نے آکر آپ کو
اطلاع دی کہ ہم بعیت کرنا چاہتے ہیں۔ آپ اپنے چچا حضرت عباسؓ
کے ہمراہ (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) اس جماعت میں
تشریف لائے۔ اور آپ نے فرمایا کہ اے یثرب کے رہنے
والو یہ زمانہ اسلام کے لئے بہت مخدوش اور خطرناک ہے مسلمانوں
کے قتل و ہلاکت کے لئے قریشی ظالم اُدھار کھائے بیٹھے ہیں۔
ایسے خدشہ کے وقت میں تمہیں کس چیز نے قبول اسلام پر آمادہ
کیا۔ اُن لوگوں نے عرض کیا کہ حضور والا ہمیں اپنی جانوں کا

کچھ بھی خوف نہیں ہے۔ ہم بھی اپنی جان پر کھیل کر یہاں تک پہنچے ہیں آپ ہمیں مشرف بہ اسلام کیجئے۔ ہمیں کوئی طاقت اس ارادہ سے روک نہیں سکتی۔ اور کوئی دباؤ اس خیال سے باز نہیں رکھ سکتا۔ جب آپ نے اس یثربی جماعت کو اسقدر راسخ الاعتقاد پایا تو سب کو بیعت کیا۔ اور وہ یہ وعدہ لیکر کہ حضور انہیں نہ بھولیں گے اور یثرب کو اپنے قدوم سے سرفراز فرمائیں گے۔ خوش خوش اپنے وطن کو چلے گئے۔

جب باہر سے آ آکر لوگ جوق جوق مسلمان ہونے لگے تو اہل مکہ میں بڑی کھلبلی مچی۔ اور وہ اپنی ناکامیوں پر بہت زیادہ افسوس کرنے لگے اور قسم قسم کے منصوبے آپ کو ذلت دینے کے لئے سوچنے لگے۔ بڑی بڑی کمیٹیاں مکے "دار الندوہ"

میں منعقد ہوئیں اور انجام کار اشتہار دیا گیا کہ جو شخص محمد صلعم کو قتل کر ڈالیگا اُسے سو اونٹ انعام دیئے جائیں گے۔

پھر اسی کمیٹی نے یہ رائے پاس کی کہ کسی ایک شخص کے ہاتھ سے قتل کیا جانا قریش کے مستقبل کو خطرناک کر دے گا اس لئے یہ تجویز ہوئی کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک شخص جمع ہو اور ایک پوری جماعت بنکر یہ لوگ مکان الرسول کا محاصرہ کرلیں جس وقت آپ باہر نکلیں قتل کر ڈالے جائیں۔ اس صورت میں قصاص چونکہ ہر قبیلہ پر واجب ہو جائے گا اِسلئے بالاتفاق اس قضیئہ کو فیصل کرلیں گے۔

اس تجویز نے اہل قریش میں ایک نئے باب کا اضافہ کر دیا اور ایک دن رات کو کئی بہادر عرب جو خاندان قریش سے

تعلق رکھتے تھے تلواریں ہاتھ میں لئے ہوئے خانۂ رسول اللہ کے اردگرد جمع ہوگئے۔ اور مکان کا محاصرہ کرلیا۔ آپ کو اس حالت کی اطلاع بذریعہ وحی پہلے ہی ہوچکی تھی اور اس وقت آپ کے پاس حضرت علیؓ سا رفیق موجود تھا آپ نے فرمایا کہ اے علیؓ دیکھو کفار میری گھات میں لگے ہوئے ہیں مکان گھیر لیا گیا ہے۔ اب مصلحت وقت یہ ہے کہ تم میری جگہ اس بستر پر آرام کرو اور میں نکل جاؤں۔ حضرت علیؓ کو تعمیل ارشاد سے کیا عذر تھا۔ عرض کی جو حکم ہوا اور یہ کہتے ہی آپ رسولِ خدا کی جگہ جا لیٹے۔ کفار روزنِ در میں سے جھانک جھانک کر اپنا اطمینان کرلیتے تھے اور ایک خوابیدہ شخص کو بستر پر پڑا ہوا دیکھ کر سمجھ لیتے تھے کہ رسالت پناہ مصروف خواب

ہیں۔ وہ اسی گمان میں تھے کہ جناب رسول کریمؐ چپکے چپکے ایک دریچہ سے نکل گئے۔ اور کفار کی آنکھوں پر اُن کے دلوں کیطرح غفلت کا پردہ پڑ گیا۔ جب صبح ہو گئی اور جناب رسول کریم مکان سے برآمد نہ ہوئے تو کفار گھر میں گھس گئے، وہاں جا کر دیکھا تو حضرت علی کرمؑ مصروفِ خواب تھے۔ بڑے نادم ہوئے۔ بڑے گھبرائے اور غصہ میں لال پیلے ہو گئے۔ حضرت علی کرمؑ سے پوچھا کہ بتاؤ محمد (صلعم) کہاں ہیں۔ اُنہوں نے جواب دیا "اللہ اعلم بحال رسولہ" (اپنے رسول کے حال سے اللہ ہی خبردار ہے) مجھے کیا معلوم۔ آخر کار کفار قریش غصے میں بھرے ہوئے واپس چلے گئے اور اعلانِ عام کر دیا کہ جو شخص رسول خدا کو شہید کریگا وہ مالا مال اور نہال کر دیا جائیگا۔

ادھر جناب رسول کریم علیہ الصلواۃ والتسلیم اپنے مکان سے نکل کر سیدھے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے مکان پر پہنچے ۔ سارا ماجرا سُنایا اور دن بھر وہیں قیام فرمایا ۔ اور ارشاد فرمایا کہ اے صدیقؓ اب جلد مکہ سے نکلو اور کہیں باہر چلکر قیام کرو تا آنکہ ہم اللہ کی حفاظت میں "یثرب" پہنچ جائیں ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ آپ کے سچے مونس اور غمگسار تھے ۔ آپ نے فوراً دن بھر میں ضروری سامان سفر درست کیا ۔ اور آدھی رات کو ضروری انتظامات کے بعد اہل وعیال اور مال ومتاع سب کچھ رسول کی خوشی پر نثار کر کے مکہ سے باہر ہو گئے اور وہاں غار ثور میں جا کر قیام کیا ۔

غارِ ثور

غارِ ثور ایک تاریک کوہی غار تھا۔ اس کے سوراخوں میں حضرت ابوبکر صدیق نے اپنی چادر پھاڑ پھاڑ کر لگا دی تھی کہ مبادا کوئی موذی جانور آپ کو ایذا دے۔ آپ یہیں مقیم رہے۔ رات کو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن آتے اور اُن سے اہلِ مکّہ کے حالات معلوم ہو جاتے کہ وہ اب کیا کر رہے ہیں۔ حضرت علی کرم کی خیریت بھی معلوم ہو جاتی۔ آپ کی صاحبزادی اسماء کھانا لے آتیں۔ اور عامر بن فہیرہ جو حضرت ابوبکر رضؓ کے غلام تھے بکریوں کا ریوڑ لے آتے جس کی وجہ سے آنے جانے والوں کے پاؤں کا نشان

مٹ جاتا تھا۔ اور بکریوں کا کچھ دودھ بھی پینے کے لئے حاصل کرلیا جاتا تھا۔

مکہ والوں کے تلوؤں سے لگی ہوئی تھی وہ بھلا چین سے کب بیٹھنے والے تھے۔ چنانچہ ایک گروہ غار ثور پر بھی آیا۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اُن کے پاؤں کی چاپ اور اُن کی مخدوش آوازیں سُنیں تو آپ بہت گھبرائے اور حراس کی وجہ سے کانپ کر کہنے لگے کہ یا حضرت اب تو نجات کا کوئی پہلو نہیں ہے مخالف سر پر آپہنچے ہیں۔ صرف ہم دو ہیں اور وہ پورا گروہ۔ اب کیا ہوگا حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے صدیق ہماری حفاظت کے لئے ایک تیسرا اور بھی ہے۔ وہ دُنیا بھر سے زبردست اور اُس کا وعدہ ہے کہ وہ ہمکو کفار قریش کے

شر سے ضرور بچائے گا۔ جب خدا کا وعدہ رسول کے رفیق نے سُنا دل مطمئن ہو گیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد دیکھا تو وہاں نہ کسی کے پانوُں کی چاپ تھی نہ کوئی آواز۔ کفار قریش آپ کا پتہ ضرور لگا لیتے مگر اللہ کی قدرت دیکھیے کہ ان کے آنے سے کچھ دیر پہلے ایک مکڑی اس غار کے مُنہ پر جالا تن گئی اور ایک جنگلی کبوتری نے انڈے دیدئیے۔ کفار سمجھے کہ اگر اس غار میں کوئی جاتا تو یہ نازک جالا کس طرح برقرار رہتا۔ یہ سوچ کر نادان آگے نکل گئے اور حیران و پریشان ہو کر واپس مکہ کو لوٹ گئے۔

ہجرت یثرب

جب اسی غار میں تین رات دِن گذر گئے تو آنحضرت صلعم

معہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے باہر تشریف لائے، عامر دو اونٹ لے
آیا ایک پر جناب رسول کریم اور حضرت ابوبکر صدیق اور دوسرے
پر عامر اور عبداللہ راہبر ابن اریقط سوار ہوئے اور ایک پوشیدہ
راستہ سے یثرب کی راہ لی۔ راستہ میں سُراقہ نامی ایک مسلح شہسوار
جو آپ کی تلاش میں تھا ملا۔ لیکن اس پر رسالت و نبوت کی خداداد
ہیبت کچھ ایسی طاری ہوئی کہ معہ گھوڑے کے سر کے بھل زمین پر
گر پڑا دل لرزنے لگا منہ سے کف جاری ہو گئے۔ سمجھا کہ یہ بیشک
خدا کے رسول ہیں گڑگڑا کر معافی کا خواستگار ہوا۔ اور جب آپ نے
معافی دیدی تو واپس مکے چلا آیا۔ یہ شخص فتح مکہ کے بعد اپنے
قبیلے کے آپ پر ایمان لے آیا تھا۔ سراقہ رعب نبوت سے شکست
فاش کھا کر لرزاں و ہراساں بھاگا اور جو شخص راستہ میں اوسے

شناسا اور متلاشی ملا اُسے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ میں بہت دُور تک دیکھ آیا کہیں پتہ نہیں ہے تمہارا جانا بے سود ہے۔ الغرض اوائل ربیع الاوّل میں دوشنبہ کے دن آنحضرت صلعم معہ تینوں ساتھیوں کے قبا میں پہنچے۔ جو یثرب سے دو میل ادھر واقع تھا۔ یہاں آپ نے ایک مسجد بنوائی۔ جو ابتک مسجد قبا کے نام سے مشہور ہے۔ یہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی آپ سے مل گئے اور اسلام کا یہ قافلہ مختصر نہایت آزادی کے ساتھ ارکان اسلام ادا کرنے لگا۔

داخلہ مدینہ منورہ

۱۶ ربیع الاوّل کو جمعہ کی نماز کے بعد حضرت رسول کریم

علیہ الصلوٰۃ والتسلیم داخل یثرب ہوئے۔ اہل یثرب کی محبت نمایاں طریقہ سے ظاہر ہو رہی تھی۔ لوگ جوق جوق آتے تھے اور خدا کے رسول کی زیارت کرتے تھے عورتیں قربان ہوتی تھیں۔ بچے آپ پر اُمگے پڑتے تھے۔ آپ کو دیکھکر ہر شخص کی یہی خواہش تھی کہ آپ اُس کے گھر جاکر مقیم ہوں لیکن آپ رحمتہ اللعلمین تھے آپ کو کسی کی دلشکنی گوارا نہ ہوئی اور فرمایا کہ ہماری اونٹنی جہاں جاکر بیٹھ جائے وہی ہماری جائے قیام ہے۔ یہ فرمایا اور اونٹنی کی باگ چھوڑ دی۔ اونٹنی مشیت ایزدی سے وہاں جاکر بیٹھی جہاں اب حضور کا روضۂ مبارک ہے۔ چونکہ وہاں سے حضرت ابوب انصاری کا مکان قریب تھا اس لئے آپ نے اُن کے گھر کو شرفِ قدوم سے ممتاز و مشرف فرمایا۔

جب اقامت و حفاظت سے اطمینان ہوا تو آپ نے اُن مہاجرین کی حالت کا معائنہ فرمایا جو اللہ اور اللہ کے رسول کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑ کر مدینہ منورہ تشریف لائے تھے۔ گو وہ دشمنوں سے محفوظ تھے تاہم اُنہیں انصار مدینہ کے مقابلہ میں اطمینان حاصل نہ تھا۔ یہ کہہ کر آپ نے اُخوت، ہمدردی، اور اتحاد کا وعظ فرمایا۔ انصار مدینہ کو مہاجرین کی بے اطمینانی کی طرف توجہ دلائی انصار تو آپ کے سچّے فرمانبردار تھے فوراً مہاجرین سے رشتہ ناتہ جوڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ مہاجرین کو تجارت میں مدد دی گئی اور اُن کی شادی بیاہ انصار میں ہونے لگے۔ اس طرح مہاجرین وانصار میں ہمیشہ کے لئے ایک رشتۂ اخوت قائم ہو گیا اور مہاجرین بھی انصار کی طرح اطمینان اور آرام کی زندگی بسر کرنے لگے۔

مسجد نبوی کی تعمیر

جب اس انتظام سے فراغت حاصل ہوئی تو جناب رسول کریم نے ایک مسجد مدینہ منورہ میں تعمیر کرنا چاہی۔ اور اس کے لئے وہ زمین تجویز فرمائی جہاں آپ کی اونٹنی آکر بیٹھی تھی۔ یہ زمین سہل اور سہیل نامی دو یتیموں کی تھی۔ جو کسی انصار کی کفالت میں پرورش پاتے تھے جب انہوں نے سنا کہ آنحضرت صلعم کو مسجد کے لئے یہ زمین درکار ہے تو وہ خدمت میں حاضر ہوئے اور زمین کو بلا معاوضہ سپرد کرنا چاہا۔ مگر آپ تو سراپا رحم و کرم اور مجسم ہمدردی تھے۔ یہ کیونکر ممکن تھا کہ یتیموں کے مال کو بلا معاوضہ لے لیتے فوراً انصار و مہاجرین میں چندہ ہوا۔ دس رتی سونا حضرت

ابو بکرؓ نے نذر کیا۔ اور یہ زمین اُن یتیموں سے اس طرح مسجد کیلئے خرید لی گئی۔ خریدنے کے بعد کچی اینٹوں اور مٹی کے گارے سے اس کی تعمیر شروع ہوئی۔ تمام انصار و مہاجرین مسجد تیار کرنے میں مصروف ہوئے۔ خود جناب رسول کریم اپنے مقدس ہاتھوں سے اینٹ اور گارا اٹھا کر لاتے تھے اور مسجد تعمیر فرماتے تھے۔ آخر کار مہاجرین اور انصار کی مدد سے یہ کچی اینٹوں کی مسجد بنکر تیار ہو گئی کھجور کے پتوں سے اس کی چھت پاٹ دی گئی اور غربا و مساکین کے لئے صحن مسجد میں ٹھہرنے کا انتظام کر دیا گیا۔

حضرت عائشہ رضؓ

ہجرت سے تین برس پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہٗ نے

اپنی بیٹی حضرت عائشہ رضؓ کو جن کی عمر اُس وقت چھ برس کی تھی مکہ معظمہ میں آنحضرت سے منسوب کر دیا تھا اب ۲ھ میں آنحضرتؐ نے پہلوئے مسجد میں حجرے بنوا کر ابو رافع رضؓ اور زید رضؓ بن حارث کو پانچ سو درم اور دو اونٹ دیکر مکہ معظمہ روانہ کیا کہ حضرت فاطمہ زہرا رضؓ ام کلثوم رضؓ اور ام المومنین حضرت سودہ رضؓ کو لے آئیں۔ انہیں کے ہمراہ حضرت عبداللہ، ابن ابوبکر رضؓ بھی گئے اور اپنی بہن عائشہ رضؓ کو بھی لیتے آئے۔ مدینہ پہنچکر حضرت عائشہ رضؓ آنحضرت کے گھر رخصت کی گئیں۔ اس وقت آپ کی عمر گیارہ برس کی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ آنحضرت صلعم نے اپنی نور چشمی فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالی عنہا کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کر دیا[۱]

---

[۱] حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی مکمل و مفصل سوانح عمری جسکا نام "بنت الرسول" ہے ۵ر میں سے پردہ نشین زنانہ لائبریری آگرہ" طلب فرماکر ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

اور سب باطمینان رہنے سہنے لگے۔

جنگ و جہاد

مسلمان خوش تھے کہ مدینہ منورہ آکر اُنہیں اطمینان کی زندگی نصیب ہوئی۔ مگر کفار قریش جنھوں نے آٹھ برس پہلے حبشہ تک مسلمانوں کا پیچھا کیا تھا نادم و منفعل ہو کر نچلے کیونکر بیٹھ سکتے تھے۔ مدینہ منورہ تو مکہ سے تین سو ساڑھے تین سو میل ہی تھا وہ ہمیشہ اسی گھات میں لگے رہے کہ کسی طرح مسلمانوں کی بنیاد مدینہ منورہ میں جمنے نہ دیں اور یہ وہاں سے بھی نکال دیے جائیں۔ آنحضرت صلعم کی آمد سے قبل عبداللہ ابن ابی جو ایک دولتمند اور با اثر رئیس تھا اپنی دہاک جما چکا تھا۔ اُس کے

ساتھی بڑے زبردست اور شرہ پشت مشہور تھے۔ اگر آنحضرت صلعم یہاں تشریف نہ لاتے تو بہت ممکن تھا کہ یثرب کی حکومت اس کے قبضۂ اقتدار میں چلی جاتی۔ لیکن آپ کے تشریف لاتے ہی یثرب کچھ سے کچھ ہو گیا۔ اور یثربیوں کا رجحان بالطبع ختم رسالت کی طرف بڑھنے لگا۔ ابن اُبی بہت گھبرایا اور اُدھر تو ابوجہل کے نام مکہ ایک خط لکھا کہ تم قریش والوں کو لیکر مدینہ منورہ پر حملہ کرو۔ یہاں کے تمام یہودی تمہارا ساتھ دیں گے اِدھر مخالفت سے مصلحتاً باز رہکر اپنی پوری جمعیت کے ساتھ بظاہر مسلمان ہو گیا۔ یہ جماعت منافق کہلاتی تھی جو آستین کے سانپ کی طرح مل کر وقت پر دغا دیتی رہتی تھی۔

جب منافقین اور یہود کا جناب رسول کریم نے یہ حال دیکھا

تو آپ نے ایک بین الاقوامی معاہدہ کیا جس کا مضمون یہ تھا
کہ محمد الرسول اللہ (صلعم) کی طرف سے تمام مسلمانوں کے
ساتھ خواہ وہ قریشی ہوں یا یثربی اور ان کے علاوہ ان تمام
قوموں کے ساتھ جو خواہ کسی مذہب اور ملت سے تعلق رکھتی ہوں
مگر ہمارے شریک حال رہنا چاہتی ہوں یہ معاہدہ کیا جاتا ہے کہ
یہ سب لوگ ایک قوم سمجھے جائیں گے۔ ان میں اگر کوئی ایک شخص
کسی کا دشمن ہوگا تو اس کے سب دشمن ہو جائیں گے۔ ان
میں کا ہر شخص فرداً فرداً امن وصلح کا ذمہ دار ہے۔ یہودی اگر
ہمارے جمہوری انتظام میں ہمارے شریک رہیں گے تو ان کی
حفاظت ہم پر فرض ہوگی۔ ہر مذہب وملت والے کو مسلمانوں
کی طرح اپنے مذہبی فرائض ادا کرنے کے لئے پوری آزادی

دی جائے گی۔ یہودیوں کو وہ تمام حقوق اور عہدے ملیں گے جو
مسلمانوں کو دیے جا سکتے ہیں۔ اگر کوئی دشمن یثرب پر حملہ کرے
تو تمام قوموں کا فرض ہوگا کہ وہ پوری قوت سے مدافعت کریں۔
اور میدان جنگ میں مسلمانوں کے دوش بدوش آکر کھڑی ہوں
وغیرہ وغیرہ تمام مدینے والوں نے یہ انتظام اور معاہدہ پسند
کیا اور سب نے اپنے اپنے دستخط کر دیے۔ یہاں تک کہ بنی نضیر
بنی قینقاع۔ اور بنی خزاعہ نے بھی۔ جو یہودیوں کے تین زبردست
قبیلے تھے اور جنہوں نے اپنے قلعے مدینہ منورہ میں الگ
الگ بنا رکھے تھے اس معاہدہ پر بظاہر دستخط کر دیے۔ لیکن پوشیدہ
طور پر اپنے شر و نفاق کی اشاعت کرتے رہے۔ آنحضرت صلعم
نے جب اہل مدینہ سے یہ معاہدہ لے لیا تو آپ کو ان قبیلوں کیطرف

توجہ کی ضرورت پڑی جو نواح مدینہ یا راہ مکہ معظمہ میں آباد تھے

چنانچہ آپ نے ماہ صفر میں ہجرت کے بارھویں مہینے معہ چند

اصحاب کے اُن قبائل کی طرف قصد روانگی کیا۔ اور وہاں پہنچکر

غزوہ ودّان۔ غزوہ بوط۔ غزوہ سفوان۔ اور غزوہ ذی العیشرہ

نامی معاہدے ہوئے۔ جو قبائل نواح مدینہ میں آباد تھے جب

وہ بھی سب اُس معاہدے کے پابند ہو گئے تو آپ پھر مدینہ منورہ

تشریف لے آئے۔ یہاں پہنچتے ہی آپ کو ابو جہل کا الٹی میٹم ملا

جس میں لکھا تھا کہ مدینے والوں کی حمایت پر نہ بھول جانا میں عنقریب

تم پر حملہ کرنے والا ہوں۔ میرے مقابلہ کے لئے تیار رہنا۔

اُدھر ابو سفیان کو شام میں لکھہ بھیجا کہ تم معہ اپنے قافلے کے

جلد مکہ معظمہ پہنچو۔

جنگ بدر

جناب رسول کریم جو اصحاب کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ
سے باہر ادہر اُدہر لوگوں سے صلح و امن کا معاہدہ لینے کے
لئے جاتے آتے تھے تو یہودی اس خبر کو کفار قریش تک اور شام
و دمشق تک نمک مرچ لگا کر اور حاشئے چڑہا کر اس طرح پہنچاتے
تھے کہ جو قافلہ۔ ادہر آئے وہ ہوشیار رہے۔
محمدؐ (صلعم) اپنی جماعت کے ساتھ قافلوں کو لوٹنے
کے لئے صحرا بصحرا پھرتے رہتے ہیں۔ ابو جہل کے ایما
سے ابو سفیان جب شامیوں کا لشکر لیکر مکّہ کی طرف
روانہ ہوا تو اسُ نے اس خوف سے کہ کہیں اسکا

قافلہ بھی راستہ میں نہ لٹ جائے ابوجہل کو
اطلاع دی کہ وہ شامیوں کی مدد کے لئے روانہ ہو۔
چنانچہ ابوجہل پورے ایک ہزار سوار اپنے
ہمراہ لیکر نکل کھڑا ہوا۔ ادھر مسلمانوں کو جب اس ہل چل کی اطلاع
ہوئی تو ۷۷ مہاجرین۔ اور ۲۳۶ انصار کل ۳۱۳ نفوس مقدس
شمال کی جانب بمعیت جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم
جانب شمال سربکف چل کھڑے ہوئے۔ ابوسفیان بجائے اسکے
کہ مسلمانوں سے مقابلہ کرے راستہ کاٹ کے مکہ معظمہ کیطرف
روانہ ہوگیا۔ اور ابوجہل کے پاس ایک پیامی کو بھیجا کہ ہم بہ
امن وامان یہاں پہنچ گئے ہیں۔ مگر ابوجہل نے لوٹنا مناسب
نہ جانا اور کہلا بھیجا کہ میں تو اب مسلمانوں کو نیست ونابود کرکے

واپس آؤں گا۔ ابوجہل کوچ کرتا ہوا مقام بدر پر پہنچا جہاں مسلمانوں کا مختصر قافلہ اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ جب دونوں لشکر صف آرا ہو گئے تو اعلان جنگ کر دیا گیا۔ اور سوائے اس کے کچھ چارہ بھی نہ تھا۔

ابوجہل کے ساتھ مکّہ کے ایک ہزار نبرد آزما اور جنگ جو زرہ پوش ہتیار بند نوجوان تھے۔ سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے ہمراہ تھے۔ ان سب کے مقابلہ میں صرف تین سو تیرہ یا تین سو چودہ مہاجرین اور انصار جن کے پاس نہ سواری تھی نہ سازو سامان صرف تین گھوڑے، ستر اونٹ اور چھ زرہیں تھیں یہ دیکھ کر جناب رسول کریم نے مسلمانوں سے پوچھا کہ اب کیا ارادہ ہے؟ سب نے دست بستہ عرض کیا کہ حضور جہاد کا حکم دے

چکے ہیں۔ ہم سر فروشی کے لئے تیار ہیں۔ اللہ اور اللہ کے رسول کے ایک اشارے پر اپنا خون پانی کردیں گے ہم بنی اسرائیل نہیں ہیں جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہدیا تھا کہ دوبس آپ اور آپ کا خدا دونوں لڑنے کے لئے تشریف لے جائیں ہم تو یہاں بیٹھے ہیں" (اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ) ۵

میدان جنگ سے کہیں ہم بھاگ جاتے ہیں
وہ اور ہیں جو لیکے علم بھاگ جاتے ہیں

انصار و مہاجرین کی یہ گفتگو سن کر آنحضرت صلعم بہت خوش ہوئے اور فتح کی بشارت جو بذریعہ وحی نازل ہو چکی تھی سنائی۔ اور فرمایا کہ جب قریش کے لشکر میں سے پیش دستی نہو

توتم ہرگز مقابلہ نہ کرنا۔ چنانچہ صبح کے وقت لشکر قریش میں سے
عتبہ بن ربیعہ اپنے بھائی شیبہ اور اپنے لڑکے ولید کو لیکر نکلا اور
چلایا کہ میرے مقابلہ کے لئے مسلمانوں میں کون سا جوانمرد ہے
آئے اور قریشی ہمت وجرات کے جوہر دیکھے۔ انصار میں سے
تین جوانمرد مقابلہ کے لئے بڑھے مگر مغرور عتبہ کہنے لگا کہ اے
محمد (صلعم) ہم ان یثرب کے کسانوں پر کیا حملہ کریں۔ ہمیں شرم
آتی ہے۔ ہمارے قریشی بھائیوں کو جو ہمارے ہم سر ہوں میدان
جنگ میں بھیجو۔ چنانچہ آپ نے یہ سنکر حضرت حمزہ رض۔ حضرت علی رض
اور حضرت عبیدہ رض بن حارث بن عبدالمطلب کو میدان میں جانے
کی اجازت دی یہ تینوں قریشی النسل نوجوان حمایت اسلام
کا بیڑہ اٹھا کر لشکر سے نکلے اور تین شیروں کی طرح سے مقابلین

پر ٹوٹ پڑے۔ آخر کار حضرت شیر خدا علی مرتضیٰؓ نے پہلے ہی حملہ میں ولید کے دو ٹکڑے کر ڈالے۔ ادھر حضرت حمزہؓ نے عتبہ کو ہلاک کر ڈالا اور ادھر شیبہ کو حضرت عبیدہ نے ہمیشہ کے لئے خاک میں ملا دیا۔

جب قریش کے یہ تینوں سورما سردار قتل ہو گئے تو قریش کے لشکر میں تہلکہ مچ گیا۔ ابوجہل نے اپنے لشکریوں کو ڈانٹا اور انہیں ہمت دلا کر ایک ساتھ مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری کی قریشی لشکر ٹڈی دل کی طرح مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا۔ جناب رسالت مآب یہ دیکھکر عریش[۱] میں تشریف لیگئے وہاں جاکر درگاہ رب العزت میں دعا کرنے لگے کہ اے قوی العزیز مسلمانوں

---

[۱] وہ چھپر جو حضور اکرم کیلئے میدان جنگ میں ڈالدیا جاتا تھا۔

کی شرم و آبرو تیرے ہاتھ ہے، ان کو فتح عطا فرما جس کا تو نے وعدہ کیا ہے۔ اگر یہ تھوڑی سی جماعت تیرے نام پر نثار ہو گئی تو پھر تیرا نام لینے والا کون باقی رہیگا" عریش والے بنی کی دُعا عرش پر فوراً پہنچی۔ رحمت الٰہی کا دریا جوش میں آیا۔ غبار اٹھا، بادل گرجے، بجلی چمکی اور بہ مصداق وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا" غیبی فرشتے دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔ لشکر کفار بدحواس ہوکر بھاگا۔ ابوجہل کو معوذ رضؓ اور معاذ رضؓ دونوں بھائیوں نے گھیر لیا۔ معاذ رضؓ کی تلوار نے ایک ایسی ضرب لگائی کہ ابوجہل کی ران الگ جا پڑی عکرمہ بن ابوجہل نے غصّہ میں آکر وار کیا تو حضرت معاذ رضؓ کا ایک ہاتھ بیکار ہوکر لٹک پڑا۔ آپ نے ٹوٹے ہوئے ہاتھ کو پاؤں سے دبا کر الگ پھینک دیا اور پھر لڑنے لگے حتیٰ کہ حضرت معوذ رضؓ

کے ایک اٹل حملے سے ابوجہل ہمیشہ کے لئے فی النار ہو گیا۔ ابوسفیان دیوانوں کی طرح بھاگا اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہو گئی۔ بہت سے کفار بھاگ گئے، بہت سے قید کر لئے گئے، دو سرغنہ قریشیوں کو قتل کر ڈالا گیا اور باقی ماندہ لوگوں کو پناہ دی گئی۔ مال غنیمت بھی بہت کچھ ہاتھ آیا۔ جو لشکر اسلام میں بانٹ لیا گیا۔

لڑائیوں کی اجمالی کیفیت

جنگ بدر کے بعد شوال ۲ھ میں غزوہ قینقاع ذی الحجہ ۲ھ میں غزوہ السویق اور محرم میں غزوہ قرقرۃ الکدر وغیرہ واقع ہوئے۔ ان میں سے بعض مقامات پر سخت لڑائی ہوئی۔ مثلاً جنگ اُحد میں سخت ہنگامہ ہوا۔ آنحضرت کا دندان مبارک بھی شہید ہو گیا

اور مسلمانوں میں بہت زیادہ مجروح و مقتول ہوئے - ذلقیعدہ سنہ ۶ھ میں صلح حدیبیہ واقع ہوئی - بعد ازاں مسلمان کسی قدر اطمینان سے بیٹھے -

سنہ ۶ھ میں آپ نے دُنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کے نام پیام رسالت بھیجا - چنانچہ خسرو پرویز شہنشاہ ایران، قیصر روم، مقوقس مصر، اور نجاشی حبشہ وغیرہ طرح طرح کے اوہام میں مبتلا تھے اور جانتے بھی نہ تھے کہ خدا ہے کیا چیز - نجاشی حاکم حبشہ کے دل پر انوار اسلام نے فوراً اثر کیا اور وہ بہ طیب خاطر مسلمان ہوگیا - ہرقل قیصر روم اور مقوقس مصر بھی گو آپ کی رسالت کے قائل ہوگئے مگر بظاہر اسلام نہ لائے - ہاں خسرو پرویز شہنشاہ ایران نے جب آپکا نام اور پیام

سُنا تو غصہ سے لال پیلا ہو کر کہنے لگا کہ یہ محمدؐ (صلعم) کون ہے جس نے اپنا نام میرے نام سے بھی پہلے لکھنے کی جرأت کی۔ اُس نے قاصد کو قید کرلیا اور آپ کے نامے کو چاک چاک کر ڈالا جب آپ کو اس متکبر اور مغرور بادشاہ کی خباثتِ نفس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ ایک دن اس کی سلطنت کو مسلمان پارہ پارہ کر ڈالیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اس کے بعد اور بہت سی لڑائیاں ہوئیں اور مسلمان فتحیاب ہوتے چلے گئے یہانتک کہ رمضان ۸ھ میں مکۂ معظمہ بھی فتح ہوگیا۔ آخری لڑائی غزوۂ تبوک کے نام سے مشہور ہے جس کے بعد آنحضرت صلعم باطمینان مدینہ منورہ میں بیٹھ کر تبلیغ اسلام کرنے لگے اور کفارِ قریش کا زور روز بروز گھٹنے لگا۔ ان تمام لڑائیوں پر ایک نظرِ غائر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان

سے محض قتل دخونریزی مقصود نہ تہا بلکہ اسلام کا سچا جوش، سچی حمایت اور دشمنان اسلام کی سرکوبی منظور تہی، جس میں مسلمانوں کو اپنا بہت زیادہ وقت اور بے شمار جانیں صرف کرنی پڑیں۔ اور اسلام کی حقانیت کا شہرہ چار دانگ عالم میں ہوگیا۔

قوموں کی اصلاح، اور ملک میں امن و امان اُسی وقت قائم ہوسکتا ہے جبکہ دشمنوں سے ملک محفوظ ہو اور اون کی سرکشی، غرور، تکبر، جہالت، خودسری، خدافراموشی کے دور کرنے کے لئے جہاد کا حکم دیا گیا تہا۔ جسے الحمدللہ کہ جاں نثاران اسلام نے پوری سرفروشی اور سچی جاں نثاری کے ساتہہ پورا کیا اور بالآخر تمام ملک حجاز میں خدا کے سچے نبیؐ کا رایت نبوت آزادی کے ساتہہ لہرانے لگا۔ اور لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کی توپیں

تمام قلعوں اور مورچوں پر گرجنے لگیں۔

بت شکنی

فتح مکہ کے بعد بت پرستی اور اوہام پرستی کا استیصال باحسن الوجوہ کیا گیا۔ کفار قریش اپنے گھروں میں سُنتے تھے اور اپنے کوٹھوں سے دیکھتے تھے کہ خانۂ کعبہ میں جو بُت رکھے ہوئے ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جبروت نبوت سے گرائے جارہے ہیں لات منات جبل عزّا جو عرب کے معبود تھے مُسلمانوں کے گرزِ توحید سے پاش پاش کر ڈالے گئے۔ اور عرب کا ہر مقام بتوں کی خدائی سے پاک ہو گیا۔ یہاں تک کہ برائے نام یا دیکھنے کو بھی کہیں کوئی بُت نظر نہ آتا تھا۔

تکمیل تبلیغ

سنہ ۱۰ھ میں عرب کی تمام قبائل کے لئے دینی تعلیم عام ہوگئی۔ واعظ، مناد، قاری اور نقیب جا بجا مقرر ہوئے قبیلے کے قبیلے ابشوق آآکر خود مسلمان ہونے لگے۔ اور ضلالت وظلمت کی اندھیریاں انوار اسلام سے جگمگانے لگیں۔ برکات وفیوض کی گھٹائیں چشمہ نبوت سے اُٹھیں، عرب کی تمام سرزمین پر گرجیں، برسیں، اور کھل گئیں۔ خدائے برتر نے ارشاد فرمایا کہ "الیوم اکملت لکم دینکم" اے پیمبر آج ہمنے تمہارے دین کو مکمل کردیا۔ اس خوش خبری کو سُنکر آپ بہت روئے اور انصار واحباب سے فرمایا کہ اب ہم بہت کم عرصہ

عورتوں سے برتاؤ

عورتوں سے آپ ہمیشہ ملاطفت اور نرمی کے ساتھ پیش آتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ عورتیں نازک شیشے ہیں اس لئے خیال رکھو کہ انہیں ٹھیس نہ لگے۔ سفر حضر میں آپ اکثر پا پیادہ چلتے اور عورتوں کو اونٹوں پر سوار کر دیتے تھے۔ تاکہ اُن کے نازک جسموں کو تکلیفِ سفر نہ پہنچے۔

عورتوں کے حقوق کا آپ بے حد خیال رکھتے تھے۔ اور چونکہ آپ کے کئی بیویاں تھیں اس لئے سب کا حق برابری کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔ اور کسی کو شکایت کا موقعہ کبھی نہ دیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور انور کو کسی دوسری بی بی کے

اب کہیں سے مخالفت کی صدا بلند نہیں ہوتی۔ صرف عبد اللہ
ابن ابی مدینہ میں ایک ایسا شخص باقی ہے جس کی جماعت میں
منافقانہ خو بو اب تک موجود ہے۔ مگر اب اُس کی موت کا وقت
قریب ہے۔ وہ بستر مرگ پر پڑا ہوا ہے۔ کہ یکایک جناب رسول کریم
کو بلاتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ میرا وقت قریب
ہے۔ آپ میری اس التجا کو قبول فرمائیں کہ جب میں مر جاؤں
تو اپنے پیرہن مبارک میں لپیٹ کر مجھے دفن کریں۔ اور میرے
جنازہ کی نماز پڑھیں۔ آپ اس کو بہ طیب خاطر منظور فرماتے ہیں
آپ کے اس خلق کریمانہ کی دھوم مدینہ میں ہو جاتی ہے اور عبداللہ
ابن ابی کے مرتے ہی ایک دن میں ایک ہزار یہودی آپ پر ایمان
لے آتے ہیں۔

۲۵ ذیقعدہ سنہ ۱۰ھ کو مدینہ منورہ سے حضور سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیم آخری حج ادا کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔ اور عام طور پر اطلاع دی کہ یہ میری زندگی کا آخری حج ہے جسکو میرے ساتھ چلنا ہو چلے اور برکات روحانی و فیوض آسمانی حاصل کرے۔ اطلاع کی دیر تھی تمام قبائل آمادہ ہوگئے۔ اور ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمان پروانوں کی طرح شمع رسالت کے چاروں طرف جمع ہوگئے۔ اور یہ الٰہی لشکرِ عظیم اس شان اور ایسے تزک واحتشام کے ساتھ بیت اللہ شریف میں داخل ہوا۔

اب ذرا ابتدائی حالت سے موازنہ کیجئے کہ ایک دن وہ تھا کہ سردارِ اسلام خاتم رسالت کفارِ قریش کے خوف سے تنہا نکل کر اپنے گھر سے جاتا ہے اور کوئی اُس کا حامی و مددگار

نہیں ہوتا۔ یا ایک دن یہ ہے کہ فوجدار اسلام حج بیت اللہ کے لئے جاتا ہے اور ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان اس کے ہمراہ مراسم حج ادا کرنے کے لئے تیار ہیں۔

یہ منظر ایک خاص منظر تھا، حضور انور عرفات کی پہاڑی پر کھڑے تھے۔ اور ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمان اور جان نثاران رسول سر برہنہ کفن لپیٹے ہوئے دامن عرفات میں استادہ تھے جن میں کالے، گورے، سبھی رنگ کے تھے۔ امیر غریب فقیر، سب یکساں تھے۔ کسی کو کسی پر فوقیت اور ترجیح نہ تھی، اللہ کا حبیب اس مجمع کثیر میں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کہ تاروں میں چاند۔

خطبۂ حجۃ الوداع

جب سب لوگ آپ کے چاروں طرف جمع تھے آپ
نے بہ آواز بلند وعظ فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اے
مسلمانو، میں غالباً آیندہ سال تم لوگوں میں موجود نہ ہونگا۔
اسلئے جو کچھ میں آج کہنا چاہتا ہوں اُسے غور سے اور تامل و
فکر سے سنو۔ جس طرح تم لوگ آج یہاں جمع ہوئے ہو اسی
طرح ہر سال آج کے دن یہاں جمع ہونا۔ اس دن کو مقدس
سمجھنا۔ اور اس سال اور اس مہینے کی برکت کو نہ بھولنا۔
اس میں خون ناحق اور لوٹ مار تم پر حرام ہے۔ تمہیں خدا کے
سامنے حاضر ہونا ہے جہاں تمہیں اپنے کاموں اور اپنے

اعمال کی جوابدہی کرنی پڑے گی۔

یاد رکھو جس طرح عورتوں پر تمہارے حقوق ہیں اسی طرح تم پر بھی عورتوں کے حق ہیں۔ اُن کے ساتھ مہربانی اور نرمی سے پیش آنا۔ خدا کی ذمّہ داری پر عورتیں تمہارے لئے حلال ہوئی ہیں۔ اور اسی کے حکم سے تم نے عورتوں پر قبضہ کیا ہے۔ اِسلئے اُن کے حقوق کی حفاظت تمہارا فرض ہے۔ خدا سے ڈرنا اور اُن کی محافظت میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھنا۔

غلاموں سے مساوات برتنا۔ اُنہیں آسایش دینا۔ جیسا تم کھاؤ اور پہنو اُنہیں بھی کھلانا پہنانا انکی خطاؤں کو معاف کرنا۔ اور اگر معافی تمہارے امکان سے باہر ہو تو اُنہیں آزاد کر دینا۔ مسلمان سب آپسمیں بھائی بھائی ہیں۔ ایک کو دوسرے کی حق تلفی نہ کرنا چاہیے۔

تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ نا اتفاقی کو اپنا شعار نہ بنانا میں تم میں کتاب اللہ (قرآن مجید) اپنے بعد چھوڑتا ہوں۔ اس پر عمل کرنا اور اخلاق، ہمدردی، اور اتفاق کو ہمیشہ فرض زندگی سمجھنا۔

وعظ ختم ہوتے ہی تمام مجمع میں سے جوش عقیدت کی صدائیں بلند ہوئیں۔ ہر شخص خلوص عقیدت اور انتہائے جوش کے ساتھ آپکے فرمان پر سر تسلیم خم کر رہا تھا۔ اور ایمان و یقین کی خوشگوار نگاہیں آپ کی طرف پورے جوش اور حسن عقیدت کے ساتھ بڑھ رہی تھیں۔

بعد ازاں حج سے فارغ ہو کر آپ مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔

دوسرے مدعیان رسالت

اسی زمانہ میں بعض قبائل میں بعض لوگوں کو یہ سودا ہوا کہ وہ جھوٹے پیمبر بن بیٹھے اور اپنی پیغمبری کا اعلان کرنے لگے۔ چنانچہ مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کذاب نے لوگوں کو گمراہ کرنا شروع کیا۔ بھلا اب مسلمان ایسے جھوٹے دعویداروں کو کب زندہ چھوڑنے والے تھے۔ اسود عنسی فوراً ان کے ہاتھ سے قتل کر ڈالا گیا۔ اور مسیلمہ کذاب بھی بعد وفات حضرت رسول خدا کے زندہ نہ بچا۔ ان دو جھوٹے مدعیان نبوت کے بعد پھر کسی میں یہ جرأت نہ ہوئی کہ نبوت کا دعویٰ آزادانہ پیش کرے۔

علالت اور وفات

اسلام کی تعلیم اور صحیفۂ ازلی کی تدریس کسی خاص وقت اور خاص قوم کے لئے مختص نہ تھی۔ اور اس کے احکام محدود الوقت نہ تھے۔ اس میں ارشاد ہوا تھا کہ "کل نفس ذائقۃ الموت" لفظ کل کا مجموعی اطلاق ایسا حاوی و طاری نکلا کہ نہ تو نفوس انبیا اس ذائقہ چشی سے محفوظ رہے۔ نہ کوئی معمولی انسان۔ جو پیدا ہوا وہ ناپید ضرور ہو گیا۔

اس کلیہ سے جناب رسول کریم بھی نہ بچ سکے حجۃ الوداع کے تین مہینے بعد آپ کو بخار آنے لگا۔ اس وقت آپکی عمر تریسٹھ سال کی تھی۔ بخار روز بروز سخت ہوتا جاتا تھا۔ مگر اس حالت میں

بھی آپ مسجد نبوی میں تشریف لاتے ۔ نماز با جماعت ادا فرماتے ۔
بی بی عائشہ رضؓ کا مکان مسجد سے قریب تر تھا اس لئے آپ اس زمانہ
مرض میں اُنہیں کے مکان پر رہتے تھے ۔ ماہ صفر کے آخر میں تپ
شدید لاحق ہوئی ۔ اور مرض حد سے زیادہ بڑھنے لگا ۔ جب کمزوری
بیحد بڑھ گئی تو آپ حضرت علی کرم اللہ وجہ اور حضرت فضل رضؓ بن عباس رضؓ
کے کاندھوں پر سہارا دیکر مسجد میں تشریف لائے ۔ اور حضرت
ابوبکر صدیق رضؓ کو اپنے سامنے امام بنایا ۔ خود مقتدی بنے ۔ جب
نماز سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ مدینہ منورہ کے ہزاروں مرد اور
عورتیں خبر علالت سُن کر مسجد کے اردگرد جمع ہو گئے ہیں آپنے
سب کو نہایت شفقت کے ساتھ بُلایا اور بطور وصیت چند حکم فرمائے
کہ اے لوگو نماز کے پابند رہنا ۔ تم میں سے اگر مجھپر کسیکا قرض ہو

تو مجھ سے مانگ لے۔ اگر میں نے کسی کو ستایا ہو تو مجھے ستا لے، جسے محمد (صلعم) سے کوئی سکایت ہو کوئی بدلہ لینا ہو وہ آج آئے اور لے۔ یہ سن کر ایک شخص اس مجمع سے اٹھا اور کہنے لگا یا حضرت میرے تین درہم آپ کے ذمہ باقی ہیں جو آپ نے اپنے نام سے ایک سائل کو دلوائے تھے۔ یہ درہم فوراً ادا کر دیئے گئے۔

زاں بعد چند وصیتیں اور نصیحتیں آپ نے اور کیں جس کے بعد آپ پھر اپنے مکان میں تشریف لے گئے۔ اور پھر واپس تشریف نہ لائے۔ حجرۂ عائشہؓ میں حضور سرورِ کائنات بستر علالت پر پڑے تھے۔ چند اصحاب آپ کی تیمارداری میں مصروف تھے۔ بخار کی ایسی شدت تھی کہ ایک پیالے میں پانی بھر کر آپ نے اپنے پاس

رکھہ لیا تھا۔ اسُ میں بار بار ہاتھہ ڈبوتے تھے اور مُنہ پر پھیرتے تھے، آخر ۱۲ ربیع الاوّل سنہ ۱۱ھ مطابق ۸ رجون ۶۳۲ء کو بروز دوشنبہ قریب شام "بالرفیق الاعلیٰ" کہتے ہوئے چشم ظاہر سے پوشیدہ ہوگئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

(مؤلف)

شفیع الامم حامیٔ جن والناس ہوا پردہ خاک میں جا کے پنہاں

شجر اور حجر تھے جُدائی سے نالاں ادہر اپنا سر پھوڑتے تھے مسلماں

وہ شمع ہُدا جو زمانہ میں چمکی

ہوئی آخرش کار رونق عدم کی

وہ عیسیٰ نفس جسنے مُردے جِلائے سبق علم کے جاہلوں کو پڑہائے

نگاہوں سے غفلت کے پردے اُٹھائے — کرشمے نبوت کے سب کو دکھائے

زمانہ سے بدعت کی بنیاد ڈھا دی

بتوں کی خدائی جہاں سے مٹا دی

وہ ہادی ہر اک قوم نے جسکو مانا — یہود و نصاریٰ نے سردار جانا

ہوا آستاں بوس جس کا زمانا — ملا جسکے گھر سے گھروں کو ٹھکانا

چراغِ ہدایت کیا جس نے روشن

جو تھا جملہ قوموں کا ماوا و مسکن

جدا وہ ہوا خویش اور اقربا سے — تقرّب ہوا اسکو حاصل خدا سے

زیارت کی بھوکے محبت کے پیاسے — تسلّی تھی جنکو درِ مصطفےٰ سے

ہوئے انکی رحلت سے اسدرجہ مضطر

کہ دریا بنا ڈالے آنسو بہا کر

چھپا آفتابِ رسالت زمیں میں — ہوئی دفن حق کی امانت زمیں میں
نہ آئی تری ایک مدت زمیں میں — کہ تھی سوزِ غم کی حرارت زمیں میں

جو طیبہ کے جنگل میں اگتا تھا سبزہ
وہ ہوتا تھا دل کی طرح سے فسردہ

علیؓ و عمرؓ اور بوبکرؓ و عثماںؓ — وفاتِ نبی سے ہوئے تھے پریشاں
بپا ہر طرف آنسوؤں کا تھا طوفاں — تھا ہر سمت جوشِ رفاقت نمایاں

مدینہ کے جتنے بھی چھوٹے بڑے تھے
وہ سب دست بر دل پریشاں کھڑے تھے

وہ سردارِ طیبہ، وہ شاہِ مدینہ — جو تھا ہادی و پیشوا اک جہاں کا
زر و مالِ وافر پہ تھا جسکا قبضہ — جواہر سے معمور جس کا خزانہ

جلی جس سے اسلام کی شمعِ عالی

چراغ اُسکا روغن سی تہا آج خالی

وہ دُنیا کو زیر و زبر کرنے والا　　وہ دہا دا سلاطین پر کرنیوالا

وہ قطعوں کو باتوں سی سر کرنیوالا　　غریبوں کو وہ تاجور کرنیوالا

نہ کوئی مسہری نہ تہی چارپائی

دمِ مرگ بستر تہا اُس کا چٹائی

تصدق ہوں جانیں اللہ اُسپہ لاکہوں　　کریں رحمتیں اژدحام اُسپہ لاکہوں

ہوں قربان سب خاص و عام اُسپہ لاکہوں　　درود اُسپہ لاکہوں سلام اُسپہ لاکہوں

وہ آیا تو رحمت کا پیغام لیکر

گیا تو ہدایت کا انعام دیکر

رسول عربیؐ

کی مقدس

زندگی پر ایک سرسری نظر

جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اخلاق حسنہ کا نمونۂ مجسم تھے - اور آپ کی زندگی پر سطحی نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ دُنیا میں خُلق عظیم ورا حسان عمیم کا نمونہ بنکر تشریف لائے تھے مسلمان اگر اُن کی تقلید کریں اور نبی کریم کے اسوۂ حسنہ پر چلنے کی کوشش کریں تو وہ بہت جلد ترقی کے دشوار گذار راستے کو طے کر سکتے ہیں۔

جتنے پیمبر اور نبی آپ سے پہلے گذرے اُن کی تعداد میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں ایک لاکھ اسّی ہزار نبی گذرے بعض کچھ اور زیادہ بتاتے ہیں بہرحال سب کو جُدا گانہ اوصاف قدرت نے عطا فرمائے اور کوئی ایک دوسرے سے مماثل نہ ہوا مگر جناب رسول کریم میں وہ تمام اوصاف موجود تھے جو آپ سے پہلے نبیوں کو مرحمت فرمائے گئے تھے۔ چنانچہ آپ میں آدم علیہ السلام کی طرح طلب مغفرت تھی، ابراہیمؑ کی وحدت پرستی، اسمٰعیل علیہ السلام کی حلیم الطبعی، موسیٰ علیہ السلام کی سرگرمی و اولوالعزمی، یعقوب علیہ السلام اور ایوب علیہ السلام کا صبر، سلیمان علیہ السلام کا دبدبہ، زکریا علیہ السلام کا زُہد۔ یوسف علیہ السلام کا حُسن۔ عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے غرضکہ تمام اوصاف حمیدہ جو پہلے انبیاء

علیہم السلام کو دئیے گئے تھے آپ کی ذات اقدس میں سب موجود تھے ؎

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ان تمام اوصاف کے علاوہ ہم بعض خصوصیتیں آپ کی مقدس زندگی میں ایسی بھی پاتے ہیں جن کا نشان دوسرے نبیوں میں ڈھونڈھے سے بھی نہیں ملتا۔ ہم آپ کے اوصاف حمیدہ اور معمولات زندگی کا تھوڑا سا ذکر کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوسکیگا کہ آپ میں کیا کیا خصوصیتیں ما فوق العادت تھیں۔ اور آپ نے اخلاق، مساوات، معاشرت، تمدن، سلوک، وغیرہ اوصاف میں کہانتک دوسرے انبیا سے سبقت حاصل کی تھی۔

سخاوت

آپ سا سخی نبیوں میں کوئی نہیں گذرا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر جبل احد کے برابر سونا میرے پاس ہو تو میں اُسے صبح ہونے سے پہلے غریبوں اور مسکینوں میں بانٹ دوں۔

جب وقت وفات قریب ہوا تو آپ نے حضرت عائشہ رضؓ سے دریافت کیا کہ گھر میں نقدی کتنی ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ نے عرض کیا کہ چند درہم موجود ہیں۔ ارشاد ہوا کہ انہیں اسی وقت غربا میں خیرات کر دو۔

نحن معاشر الانبیاء لا نورث ولا نرث

ترجمہ۔ ہم گروہ انبیاء نہ کچھ دُنیوی ورثہ پاتے ہیں اور نہ کسی کے

لئے چھوڑ جاتے ہیں۔

آپ خود سخی تھے اور سخاوت کی قدر بھی جانتے تھے یعنی سخی لوگوں کی قدر و منزلت آپ کی نگاہوں میں بہت زیادہ تھی۔ چنانچہ جب قبیلۂ بنی طے نے سرکشی کی اور لڑائی کے بعد کچھ لوگ اسیر ہو کر خدمت رسولؐ میں پیش ہوئے تو انہیں میں حاتم طائی کی بیٹی بھی تھی۔ آپ نے معلوم کر کے کہ یہ لڑکی حاتم طائی کی نسل سے ہے اُسے معاف کر دیا۔ لڑکی نے اپنے قوم کے دوسرے لوگوں کے لئے بھی سفارش کی تو وہ بھی آپ نے منظور فرمالی اور سب کو امان دیدی۔ مخالفین کے ساتھ ایسا اخلاقی برتاؤ آپ ہی کا حصہ تھا۔ جسکی مثال تاریخ عالم میں بمشکل بھی نہیں ملسکتی

عورتوں سے برتاؤ

عورتوں سے آپ ہمیشہ ملاطفت اور نرمی کے ساتھ پیش آتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ عورتیں نازک شیشے ہیں اس لئے خیال رکھو کہ انہیں ٹھیس نہ لگے۔ سفر حضر میں آپ اکثر پاپیادہ چلتے اور عورتوں کو اونٹوں پر سوار کر دیتے تھے۔ تاکہ اُن کے نازک جسموں کو تکلیفِ سفر نہ پہنچے۔

عورتوں کے حقوق کا آپ بے حد خیال رکھتے تھے۔ اور چونکہ آپ کے کئی بیویاں تھیں اس لئے سب کا حق برابری کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔ اور کسی کو شکایت کا موقعہ کبھی نہ دیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور انور کو کسی دوسری بی بی کے

گھر کسی قدر دیر ہو گئی - اور وہ رات حضرت عائشہؓ کے حصّے کی تھی

جب آپ آئے تو عائشہ صدیقہؓ کو بدگمان پایا آپ نے قیافہ سے

دریافت کر کے فرمایا کہ اے عائشہؓ قسم ہے خدا کی تمہارا خیال غلط ہے

محمد (صلعم) سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ تمہارے حقوق دوسروں کے

ساتھ تلف کرے اور دوسروں کے حق تمہارے ساتھ ادا کر دے

آجکل دو دو تین تین بیبیاں رکھ کر لوگ اس طریقہ کی پیروی

تو کرنا چاہتے ہیں لیکن حقیقت میں نفس کے بندے اپنی بیبیوں

کے حقوق ادا نہیں کر سکتے - ایک کی غیبت میں دوسری کے سامنے

سیکڑوں بار ہر روز جھوٹ بولتے ہیں - بجائے اسکے کہ ایک دوسرے

کے ساتھ مساوی حقوق برتے جائیں - نئی بیوی گلے کا ہار بنجاتی ہے

اور اس پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کیجاتی ہے کہ دین اور دنیا

ہیں اگر سب سے زیادہ عزیز کوئی چیز ہے تو وہ تم ہو۔ بلکہ پہلی بیوی کے نقائص اور عیوب تک زبان پر لاکر اپنی نئی اور چہیتی بیوی کا دل خوش کیا جاتا ہے۔ پھر دوسرے اوقات میں پچھلی بیوی کے سامنے نئی کو ان کی لونڈی اور خادمہ بتلاکر بڑھتی ہوئی بات کو دبایا جاتا ہے کیا ایسا کرنے میں سراسر جھوٹ نہیں بولا جاتا۔ کیا اس طریقہ سے بیویوں کے مساوی حقوق ادا ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں اسیواسطے

اللہ جل شانہٗ نے کلام پاک میں ایک جگہ فرمایا ہے۔ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ط (ترجمہ) تم چاہو گے بھی تو عورتوں (بیبیوں) میں پورا پورا عدل نہ کرسکو گے۔ لیکن ایک طرف پورے طور سے جھک کر دوسری کو بیچ ادہر میں لٹکتا ہوا نہ چھوڑ دو۔

عقد بیوگان

آپ نے دو شادیاں بیوہ عورتوں سے کیں ایک حضرت خدیجہ رضؓ سے

اور دوسری حضرت سودہؓ سے ۔ اور دُنیا میں عقد بیوگان کا ایک مستقل طریقۂ مسنون جاری کر دیا ۔ حالانکہ یہ طریقہ آپ سے پہلے کسی ملت میں جائز نہ تھا ۔

افسوس ہے کہ فی زمانا بیوہ عورت کا عقد ثانی کر دینا یا بیوہ کے ساتھ نکاح پڑہانا دونوں باتیں معیوب سمجھی جانے لگی ہیں کاش وہ لوگ کہ جن کی پہلی بیوی قضا کر جائے اور نکاح ثانی کی اُنہیں ضرورت لاحق ہو تو اپنے لئے بیوہ ہی کو تلاش کیا کریں ۔ بجائے اسکے کہ بڑہاپے میں وہ اپنے لئے کمسن اور نوعمر کو ڈھونڈیں اُنہیں محض ستم رسیدہ بیواؤں کی دلی دُعائیں لینی چاہئیں اور ناکتخدا لڑکیاں کنوارے لڑکوں کیلئے چھوڑ دینی چاہئیں ۔ اس طرح سے عقد بیوگان کو زیادہ رواج ہو سکتا ہے ۔

مہمان نوازی

جب آپ کے گھر اتفاق سے کوئی مہمان آجاتا تھا اور کھانا کم ہوتا تھا

تو آپ اُسے پیٹ بھر کے کھلا دیتے تھے اور خود معہ اہل وعیال بھوکے رہجاتے تھے۔ لیکن مہمان پر اپنے بھوکے رہجانے کا حال کسی طرح بھی ظاہر نہ ہونے دیتے تھے۔

معافی اور درگذر

آپ لوگوں کا قصور ہمیشہ معاف کردیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ کسی اعرابی نے مسجد نبوی میں دانستہ پیشاب کردیا انصار ومہاجرین کو بڑا غصہ آیا اور اس شخص کو سزا دینی چاہی مگر آپنے منع کردیا اور اس اعرابی کو نرمی کے ساتھ سمجھا دیا کہ یہ خدا کا گھر ہے اسمیں ایسی ناجائز حرکت نہ کرنا چاہیے۔

طاقت اور قبضہ پا جانے کے بعد کسی سے درگذر کرنا بڑی مشکل
بات ہے یا باوجود اختیار انتقام نہ لینا کوئی آسان کام نہیں
مگر جناب رسول کریمؐ میں یہ وصف خاص تھا۔ جنگ بدر کے بعد
آپ ایک درخت کے زیر سایہ آرام فرما رہے تھے کہ کفار قریش میں
سے کوئی شخص وہاں آپہنچا۔ اور آپ کو محو خواب پاکر تلوار سے
قتل کرنا چاہا۔ مگر آپ کی آنکھ فوراً کھل گئی اور آپ کھڑے ہو گئے
وہ شخص تلوار کھینچکر بولا کہ بتاؤ اب تمہارا بچانے والا کون ہے آپ نے
گردن جھکالی اور انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا۔
"وہ خدا" اس فقرے میں خدا جانے کیا اثر تھا کہ اس کے ہاتھ
سے تلوار گر پڑی آپ نے تلوار کو فوراً اٹھا لیا اور اس شخص سے
فرمایا کہ "بتا اب تیرا نگہبان کون ہے" وہ خاموش ہو گیا تو آپ نے

فرمایا کہ ارے کم بخت کہہ کیوں نہیں دیتا کہ وہ ہی خدا جس نے تمہاری جان بچائی۔" غرضیکہ اس شخص پر اس برتاؤ کا اتنا اثر ہوا کہ اسیوقت مسلمان ہوگیا۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریمؐ نے اپنی ذات مبارک کے لئے کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا۔ ہر شخص کے بڑی سے بڑے قصور کو آپ معاف فرما دیا کرتے تھے۔ ہبار نامی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی زینب کے دورانِ صفر میں نیزہ مارا، وہ ہودج سے نیچے گر گئیں اور حمل ساقط ہوگیا اور بالآخر یہی صدمہ اُن کی موت کا باعث ہوا۔ ہبار نے آپ سے معافی کی التجا کی اور آپ نے اُسے معاف کر دیا۔

کیا تاریخ عالم بتلا سکتی ہے کہ عفو اور رحم کی ایسی نادر مثال

کبھی دنیا میں کسی نے قایم کی ہے۔

خدمتِ خلق

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور انور کی خدمت میں قریباً دس سال تک حاضر رہا ہیں اگر آپ کا کوئی کام کرتا تھا تو حضور انور اس سے دُگنا کام میرا کر دیتے تھے سبحان اللہ

"طریقت بجز خدمتِ خلق نیست"

عورتوں کا ادب چاہیے

آنحضرت صلعم کو خدائے تعالیٰ نے تعلیم دی تھی کہ میں تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کو ضائع نہیں کرتا مرد ہو یا عورت۔ تم ایک دوسرے میں سے ہو (سورہ آل عمران)

اتنا اور اضافہ کیا گیا تھا کہ "اے لوگو اپنے خدا سے ڈرتے رہو۔ جس نے تمہیں ایک آدم سے پیدا کیا ہے پھر اُس سے اسکی بیوی کو پیدا کیا۔ اور پھر اِن دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کی ہیں۔ اور خدا سے ڈرو جس کا نام تم لیکر ایک دوسرے سے قسم کھاتے ہو۔ اور عورتوں کا ادب کیا کرو جنہوں نے تمہیں پیدا کیا ہے کیونکہ خدا تعالےٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے" یہی تعلیم آپ نے عام کر دی اور اسی پر ہمیشہ آپ کا عمل درآمد رہا۔

تعداد ازدواج

بیشک آپ نے ۹ شادیاں کیں لیکن انسانی زندگی اِس معیار سے کبھی نہیں پرکھی جاتی۔ اگر آپ اِن بیبیوں پر نظر ڈالیں جو آنحضرتؐ کے عقد میں آئیں تو آپکو معلوم ہو جائیگا کہ اُنمیں سے ہر ایک یا تو کسی معاہدہ

کا ذریعہ تھی یا انکی وجہ سے مسلمانوں کیلئے کچھ حاصل کیا گیا تھا۔ اور یا اس عورت کو حفاظت کی سخت ضرورت تھی۔

آپکی تعلیم پر اگر غور کیا جائے تو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ایک سے زیادہ شادی کرنا آسان بات نہیں ہے۔ آپنے فرمایا کہ اے لوگو تمہیں اسوقت تک دوسری عورت سے شادی نہ کرنا چاہیے جبتک تم اس سے پہلی بیوی کیطرح محبت اور سلوک نہ کرسکو اور کامل عدل و مساوات سے دونوں کو نہ رکھو۔ اب غور کرنے کی بات یہ ہے کہ دنیا میں ایسا کون شخص ہے جو مساوی محبت اور مساوی عدل کے ساتھ دو عورتوں کو رکھ سکتا ہے۔ اگر کوئی نہیں ہے تو گویا اسلام تعدد ازدواج کی کھلی ہوئی اجازت نہیں دیتا۔

(بالخیر)

تمت